قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ———

ٹیلیفون : ۸۷۹۲۴۶

فہرست مضامین

۱ ——— لمعات ——— ادارہ ——— ۲

۲ ——— علامہ غلام احمد پرویزؒ کی شخصیت ——— محمد ارشاد ——— ۵

۳ ——— روزوں کا مقصد ——— علامہ غلام احمد پرویزؒ ——— ۱۱

۴ ——— ضروری التماس ——— ادارہ ——— ۱۷

۵ ——— پیغام بہ ملّتِ پاکستانیہ ——— ظہیر نیاز بیگی ——— ۱۸

۶ ——— نورِ مبین ——— ادارہ ——— ۲۰

۷ ——— قائدِ اعظمؒ اور قرآن ——— علامہ غلام احمد پرویزؒ ——— ۲۵

۸ ——— واللہ خیر الرازقین ——— آصف جاوید ——— ۴۴

۹ ——— ایک کتاب جس نے زندگی بدل ڈالی ——— محمد قاسم خاں ——— ۴۷

۱۰ ——— فکری تکون ——— اختر وسیم ڈار ——— ۵۰

۱۱ ——— قرآنی تعلیم بچوں کے لئے ——— قاسم نوری ——— ۵۵

۱۲ ——— استقبالیہ ——— ادارہ ——— ۶۰

۱۳ ——— طلوعِ اسلام سیمینار ——— قاسم نوری ——— ۶۸

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون : ثریا عندلیب

ناشر : شیخ عبدالحمید

طابع : خالد منصور نسیم

مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز

۲/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵

ٹیلیفون ——— ۲۷۵۸۲۶

مقامِ اشاعت : ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۳ ——— مارچ ۱۹۹۰ء ——— شمارہ ۳

بدل اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۶۰ روپے

بیرونی ممالک ——— (بذریعہ سمندری ڈاک) ۱۲۵ روپے

فی پرچہ : -/۵ روپے

لمعات

ابرِ ظُلمت ایک دِن چھٹ جائیگا اُس پار بھی

آزادی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ یہ وہ متاعِ گراں بہا ہے جس کے لئے انسان نے کوئی بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا۔ اس کی خاطر قوموں نے پانی کی طرح اپنا خون بہایا۔ بڑی بڑی جنگیں لڑیں۔ افراد نے غلامی کے شکنجے سے نکلنے کے لئے بے پناہ مصائب جھیلے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دار و رسن کو لبیک کہا۔ غرضیکہ آزادی کے راستے پر چلنے والوں نے اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے۔ انسان کی تمدنی تاریخ اس کی گواہ ہے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ محکوم و مظلوم انسانوں کے جذبۂ حریت کو کچلا نہیں جا سکتا۔ اس کی زندہ مثال مسلمانانِ کشمیر کی ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے کشمیری عوام ڈوگرا راج کے ظلم و جبر کی چکی میں پستے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد بھارتی سامراج نے سرزمینِ کشمیر کو ہڑپ کرنے کی ٹھانی اور اس پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی افواج وہاں اتار دیں۔ اس پر بھی نہتے اور بے بس کشمیری عوام نے اپنے ایمان اور جذبۂ حریت کی طاقت پر بھارتیوں کے تشدد و استبداد کا مقابلہ کیا۔ ان کا مطالبہ حقِ خود ارادیت کی بنا پر استصوابِ رائے کا تھا تاکہ وہ اپنی مرضی سے اپنی تقدیر کا فیصلہ کریں۔ پاکستان میں شامل ہوں یا بھارت کی سرپرستی قبول کریں یا اپنی آزاد ریاست قائم کریں۔ یہ انتخاب اہلِ کشمیر کی اپنی صوابدید پر ہونا تھا۔

ساری دنیا کو اس کا علم ہے کہ ۱۹۴۸ء میں سلامتی کونسل نے خود بھارت کی درخواست پر جنگ بندی اس شرط پر کی تھی کہ ریاست جموں و کشمیر ایک متنازعہ مسئلہ ہے اور یہ کہ کشمیریوں کو حقِ خود ارادیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن بھارت نے آج تک یو۔ این۔ او کی کسی تجویز کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔ وہ مسلسل اس عہد سے روگردانی کرتا چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۸ء میں اس نے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دے دیا۔ اور تقسیم برصغیر کے اصولوں سے منحرف ہو کر کشمیری عوام کی مرضی و منشاء کے خلاف کشمیر پر جابرانہ فوجی تسلط قائم کر لیا۔ کشمیری عوام نے گزشتہ چالیس سال سے اس غاصبانہ قبضہ کو قبول نہیں کیا۔

اس کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے ہزاروں حریّت پسند مسلمانانِ کشمیر جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ مگر جذبۂ حریّت نہ سرد ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ کشمیری عوام سر پہ کفن باندھ کر میدانِ عمل میں کود پڑے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر کا چپّہ چپّہ بھارتی سامراج کی غلامی سے مستقل طور پر چھٹکارا حاصل کرنے کے جوش و جذبے کی تصویر نظر آتا ہے۔ کشمیر کے حریّت پسندوں نے آزادی کے لئے اپنی تمام ترتگ و تاز کو فیصلہ کُن بنانے کے لئے مصلحت کی زنجیریں توڑ کر قدم بڑھائے ہیں۔ اس عزمِ مصمّم کے ساتھ کہ وہ غلامی کے تمام طوق و سلاسل سے رہائی حاصل کر کے رہیں گے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب برصغیر کے کروڑوں لوگوں نے پاکستان یا بھارت کے ساتھ شامل ہونے کے لئے حقِ خود ارادیت کا استعمال کیا ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک کروڑ بیس لاکھ کشمیریوں کو اس حق سے محروم کر دیا جائے؟

آج دنیا میں ہر جگہ مظلوم عوام اور کچلے ہوئے طبقات سامراجی طاقتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ ہر طرح کی قربانیاں دے کر بھی آزادی کی نعمت سے سرشار ہونے کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مغرب ہو یا مشرق، جور و استبداد اور محکومیّت کے خلاف ہر طرف آزادی و بیداری کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ اس لئے کہ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ ہر انسان کو اختیار و ارادہ کا شرف اور اس کو استعمال کرنے کا حق حاصل ہے۔ کشمیری عوام کو بھی حقِ خود ارادیّت حاصل ہے اور وہ اقوامِ متحدہ کی قرارداد کے مطابق استصوابِ رائے سے کم کسی چیز کو قبول نہیں کریں گے۔

پاکستان متنازعہ کشمیر کا ایک اہم اور تسلیم شدہ فریق ہے۔ موجودہ حالات میں کشمیر کے مسئلے پر زیادہ سے زیادہ قومی اتفاقِ رائے اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ عالمی رائے عامہ کو کشمیری عوام کے حقِ خود ارادیّت کے حق میں ہموار کیا جائے۔ اور مسئلۂ کشمیر کو اقوامِ متحدہ کی قرارداد کے مطابق حل کرنے کے لئے دنیا کی تمام آزادی پسند قوتیں اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ اسلامی دنیا کو تو خاص طور پر اس طرف توجّہ دینا چاہیئے۔

اس وقت تمام جماعتوں اور راہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ تمام گروہی مفادات سے بالا ہو کر متنازعہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے داخلی ہم آہنگی پیدا کریں اور دنیا پر یہ واضح کر دیں کہ پاکستان کے لوگ کشمیر کے مسئلہ پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اور وہ مقبوضہ کشمیر کے عوام کو آزادی دلانے کے لئے فردِ واحد کی طرح متحد ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسئلہ کشمیر کے پُرامن حل کے لئے صحیح منصوبہ بندی سنجیدہ پالیسی کے تحت کی جائے۔ اور ہندو سے معاملات طے کرتے وقت یہ حقائق ذہن میں رہیں کہ یہ وہی بھارت ہے جس نے:

۱ ۱۹۴۷ء میں مُلک بھر میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔

۲ پنجاب اور بنگال تقسیم کرایا۔
۳ ریڈکلف کو بھاری رشوت دے کر باونڈری لائین حسب منشاء بنوائی۔
۴ پاکستان کا تمام فوجی سامان روک لیا
۵ واضح ہدایات اور فیصلہ کے علی الرغم دریائے بیاس، ستلج اور راوی کا پانی روک لیا۔
۶ ریاست جونا گڑھ کا مسئلہ زبردستی حل کیا۔
۷ وادیٔ کشمیر کی ۹۰ فیصد مسلم آبادی کے دباؤ کے پیشِ نظر مہاراجہ کشمیر پاکستان سے معاہدہ چاہتا تھا لیکن گاندھی نہرو اور ماؤنٹ بیٹن نے اس پر دباؤ ڈال کر اسے اس سے باز رکھا۔
۸ کشمیر کا مسئلہ خود یو۔این۔او میں لیکر گیا اور پھر یو۔این۔او کی ہر تجویز کی مخالفت کی۔
۹ سندھ طاس معاہدہ کے علی الرغم دریائے جہلم پر "سلال بند" قائم کرکے دریائے جہلم کے پانی کو منتقل کردیا جبکہ دریائے چناب پر ایک بڑا ڈیم بنا کر پانی کے بہاؤ کو تبدیل کرنے کی فکر میں ہے۔
۱۰ ۱۹۹۸ء تک دریائے سندھ کا رُخ بدلنے کا ارادہ رکھتا ہے۔
۱۱ آئے دن اپنی بری، بحری اور فضائی قوت میں بلا جواز اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے۔
۱۲ بھوٹان اور سکم کی ریاستوں اور پرتگالی، فرانسیسی مقبوضات پر قبضہ کر چکا ہے۔ سری لنکا میں براجمان ہے اور نیپال کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔
۱۳ برصغیر کو 'اشوک' اور "ہرش" کا مہا بھارت بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔
۱۴ دنیا کے بیشتر ممالک نے بے گھر افغان مہاجرین کی مدد کی لیکن بھارت ٹس سے مس نہ ہوا۔
۱۵ بھارتی مسلمان کل بھی ہندو مسلم فساد کی زد میں تھا آج بھی دہشت و بربریت کے نرغے میں ہے۔

اگر آج عالمی برادری اور خاص طور پر عالم اسلام نے اس کا نوٹس نہ لیا تو کل یقیناً اسلامی جمہوریہ پاکستان بھی اس کی حریص نگاہوں کا مرکز ہوگا۔ جیسے بھوٹان، آسام، سری لنکا اور پڑوسی ممالک اس کی نگاہِ حرص کی زد سے نہیں بچ سکے مناوادر اور جونا گڑھ، حیدر آباد دکن اس کے شکم ہوس میں اُتر چکے اور دیگر مسلم اکثریت کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں وہ لقمۂ تر کی طرح نگلتا چلا گیا ہے۔

سلسلۂ مطالب الفرقان

قرآن کریم کی بصیرت افروز تفسیر

پرویزؒ صاحب

محمد ارشاد

علامہ غلام احمد پرویزؒ کی شخصیت اور منفرد علمی کارنامے

تاریخ تفسیرِ قرآن کا مختصر جائزہ

اگر تفسیرِ قرآن کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالی جائے تو :

- ہمیں تفسیر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ملتی ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ ابن جریر طبری جیسی تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔ یہ پہلی تفسیر ہے۔

۲ • چوتھی صدی ہجری میں صرف و نحو، بلاغت و معانی، فقہ و اصول، منطق و فلسفہ اور تصوف کا رواج ہو چکا تھا۔ زجاج اور کسائی نے صرف و نحو کے لفظی تصرفات اور اعراب کی بحث و جدل سے تفسیر لکھی۔

۳ • ابن اثیر نے جو تاریخ کا ذوق رکھتے تھے۔ اپنی تفسیر میں قصص کی تفصیلات پر زور دیا۔

۴ • محی الدین ابن عربی اور واحدی نے تفسیر میں تصوف کا رنگ بھرا۔

۵ • جدید زمانے میں مفتی محمد عبدہٗ اور سرسید احمد خان نے تفسیرِ قرآن میں زمانے کی علمی بحثوں اور تحریکوں کا تذکرہ کیا۔

گویا ہم فہم القرآن کا ایک ارتقائی سفر کر رہے ہیں۔ زمانے کے علمی و تحقیقی کام سے بھی الگ تھلگ نہیں رہا جا سکتا تھا۔ اسی دوران فرعونِ مصر کی لاش مل گئی، جس کا قرآن میں حفاظتی تذکرہ موجود تھا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قرآن عصری تحقیقات میں مزید ابھر کر سامنے آئے گا۔

تسخیرِ خلا

ہم زمین و آسمان کے درمیان خالی جگہ کو کچھ نہ سمجھتے تھے، کہ اس دوران میں سائنسی تحقیقات سے، ایتھر (ETHER) کا انکشاف ہوا اور قرآن کی آیت (۴۵/۱۳) سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ سے زمین و آسمان کی ظاہری و باطنی نعمتوں کے اتمام اور ان کی تسخیر کا ایک نیا انداز ہاتھ آیا۔ اب

۱۔ تاریخ تفسیر کے نقطۂ نظر سے اسلاف کی تحقیق اور کوشش پر بند لگا کر بیٹھ جانا مناسب نہ رہا۔

۲۔ ضرورت پیدا ہوئی کہ قرآن پر از سرِ نو تحقیق کی جائے۔ یہ تحریک دینے میں علامہ اقبالؒ کا بڑا حصہ ہے۔ ابتدا میں ابوالکلام آزاد نے کچھ کام کیا پھر بدل گئے۔

۳۔ علامہ اسلم جیراجپوری مقدمہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں:۔

"ان تفسیروں میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس پر کسی طالبِ قرآن کی زبان سے ان کے لئے مغفرت کی دعا نکلے یا جو بوجھ اپنی تصنیف کا وہ پڑھنے والوں کے دلوں پر ڈال گئے ہیں اس کی کوئی تلافی ہو سکے۔ بیشتر اسی قسم کی تفسیریں تھیں جو معدوم یا متروک ہو گئیں۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جس کو قرآن نے سکھلایا ہے کہ "اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ وہی چیز دنیا میں باقی رہے گی جو لوگوں کیلئے نفع رساں ہو" (ص ۳۳)

۴۔ ان تمام تفسیروں کے مفید حصص کو امام راغب اصفہانیؒ نے اپنی کتاب المفردات میں جمع کر دیا ہے۔

یہاں سے آگے قرآن فہمی کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے جس کا حرفِ اوّل علامہ اقبالؒ نے لکھا۔ انہوں نے شعر کی زبان میں تفسیر قرآن کا ایک اچھوتا انداز اختیار کیا، جس کو اقبال اور قرآن کے رنگ میں متعدد افراد پیش کر چکے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کی زندگی میں جو پہلا یومِ اقبالؒ منایا گیا تھا۔ اس پر علمی طور پر بھاری بھرکم تحقیق کا شاہکار مقالہ محترم غلام احمد پرویزؒ کا تھا۔ جس پر علامہ اقبالؒ نے بھی مہرِ تصدیق ثبت کی تھی۔ چنانچہ محترم پرویزؒ صاحب اپنی تفسیر قرآن کی پہلی جلد "معارف القرآن"، "اللہ" کے تعارف میں لکھتے ہیں:۔

"اس مقام پر جہاں میری جبینِ نیاز بارگاہِ ایزدی میں اظہارِ تشکر و امتنان کے لئے زمین بوس ہے، وہاں میرے قلب کی انتہائی گہرائیوں میں دو ہستیوں کیلئے جذباتِ سپاس گذاری رقصاں ہیں۔ ایک حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جن کی نگہِ حقیقت بین و بصیرت افروز اس وادیٔ شوق میں میرے لئے چراغ راہ بنی اور دوسرے شفیقِ محترم علامہ محمد اسلم جیراجپوری مدظلہ العالی، جن کی رفاقت و شفقت، صعوبات سفر میں حوصلہ بخش و ہمت افزا ہوئی۔" (ص ۵)

گویا محترم پرویز صاحبؒ کی تفسیر و تحقیق قرآن کا دور عصرِ حاضر کا ایک تقاضا تھا، فکرِ انسانی کی ایک ضرورت تھی۔ قرآن کو نئے انداز سے سمجھنے کا ایک جداگانہ تجربہ تھا، جو کیا گیا۔ تو اس سے بت خانۂ عقائد میں زلزلہ آگیا۔ مسلمان نے قرآن کے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی تو آگ بگولہ ہو گیا اور اس شیشے کو توڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن سبھی نہیں۔

اگر تقلید بودے شیوۂ خوب
پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے

علامہ اقبالؒ نے کہا تھا ے

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر
سُود خوار و والی و مُلا و پیر

ان تفسیر قرآن سے اقبالؒ کا یہ شعر ایک حقیقت کے رُوپ میں اُبھر کر سامنے آگیا۔ چنانچہ کچھ سعید روحیں پرویزؒ صاحب کے قریب ہوگئیں۔ اس انداز کو پسند کیا جانے لگا۔ اس طرح ان کے ہفتہ وار درسِ قرآنِ کریم کی طرح پڑ گئی۔ اور پھر وہ ہمیشہ اسی طرح درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان کے درس میں اہلِ علم، پروفیسر، وکیل، ڈاکٹر، سائنس داں اور طلباء کافی تعداد میں شامل ہونے لگے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان کی بات سے مطمئن ہونے لگا۔

اب پرویزؒ صاحب مرحوم کی کچھ کتب کا تعارف پیشِ خدمت ہے جو ان کا علمی سرمایہ ہیں۔

۱۔ **معارف القرآن** جلد اوّل (اللہ)۔ جو ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اللہ کی ذات و صفات کے متعلق قرآنی آیات کو یکجا کیا گیا ہے۔ اُردو زبان میں اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ بعد میں یہ کتاب "من و یزداں" کے نام سے شائع ہوئی۔

۲۔ **معارف القرآن** جلد دوم۔ جس میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے کوائفِ حیات، انقلابی جدّ و جُہد، ہجرت اور تشکیلِ اُمّت کے بارے میں۔ ان کی مساعیٔ جمیلہ کے ضمن میں قرآنی آیات کو یکجا کیا گیا ہے۔ نظرِ ثانی کے بعد یہ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی، جن کے نام جُوئے نُور، برقِ طور اور شعلۂ مستور ہیں۔

۳۔ **معارف القرآن** جلد سوم۔ یہ کتاب بعد میں معراج انسانیت کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوائفِ حیات، تاریخ، حدیث اور قرآنی آیات کی یکجائی سے ایک اچھوتے گلدستے کی صورت میں مرتّب کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب جہاں ایک تاریخ ہے، وہاں اس سے مستقبل کیلئے انقلابی جدّ و جُہد کے نقوش بھی ملتے ہیں۔ اس سے سنّتِ خلقِ عظیمی کا بھرپور خاکہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

۴۔ **لغات القرآن** اس کتاب میں قرآنی الفاظ کو مادہ کے لحاظ سے محاورۂ عرب کے مطابق سمجھنے کی کوشش

کی گئی ہے۔ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی یہ سب سے پہلی کوشش ہے، جو چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی الفاظ پر اس مرتبے کی کوئی دوسری لُغت اردو میں شائع نہیں ہوئی۔

۵۔ **مفہوم القرآن** اس میں قرآنِ کریم کے تیس پاروں کا عربی متن کے ساتھ مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ جو جو بلند پایہ اردو ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ یہ کتاب پرویزؒ صاحب کو مسلم مترجمینِ قرآن کی صف میں ایک اچھا مقام دِلا گئی ہے۔ جس کے مخالفین بھی معترف ہیں۔

۶۔ **شاہکارِ رسالت** یہ کتاب جناب حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت پر لکھی جانے والی سینکڑوں کتابوں میں ایک نادر و بلند پایہ اضافے کا مقام رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں جناب شورش کاشمیری ایڈیٹر چٹان لکھتے ہیں:

> "ایڈیٹر چٹان کو جناب غلام احمد پرویز صاحب سے ذاتی نیاز حاصل نہیں ہو سکا۔ کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی عظیم کتاب 'شاہکارِ رسالت' پڑھنے کے بعد ایڈیٹر چٹان کو یقین ہو چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کی بدولت پرویز بارگاہِ خداوندی میں سُرخرو ہو کر باریاب ہوں گے۔ اور یہ کتاب ان کے لئے توشۂ آخرت ہوگی۔ اللہ تعالےٰ ان فضلائے امت کے ساتھ انہیں جگہ دیں گے، جن کے دِل اسلام کیلئے ہر دور میں دھڑکتے رہے ہیں۔" (چٹان ۷۴-۵-۱۳)

۷۔ **تبویب القرآن** اس کتاب میں قرآنی آیات کو مضمون وار یکجا کیا گیا ہے۔ جو صرف ترجمہ کی صورت میں ہے، ناگزیر صورت میں عربی متن بھی دیا گیا ہے۔ یہ معلومات کا ایک اہم انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اور اردو زبان میں ایک پہلی اور کامیاب کوشش۔ میں نے مخالفین کے پاس بھی یہ کتاب دیکھی ہے۔

ان کتب کے علاوہ پرویزؒ صاحب کی کئی کتابیں ہیں۔ مثلاً ابلیس و آدم، انسان نے کیا سوچا؟ اسلام کیا ہے؟ کتاب التقدیر، جہانِ فردا، نظامِ ربوبیت، قرآنی فیصلے، سلیم کے نام خطوط، طاہرہ کے نام خطوط، مقامِ حدیث، ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت، اسلامی معاشرت، اسبابِ زوالِ امت اور اقبالؒ اور قرآن وغیرہ۔

آپ مطالب الفرقان کے نام سے تفسیرِ قرآن لکھ رہے تھے، جو چھ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ جو فی الحال نصف قرآن سے بھی کم ہو سکی ہے، لیکن اس کی جو جلدیں شائع ہوئی ہیں وہ باقی قرآنِ کریم کو سمجھنے میں ممد ہوں گی۔ محترم

یہ پرویز صاحب کے یہی وہ علمی کارنامے ہیں جن سے متاثر ہوکر اعتدال پسند مخالفین بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ جناب محمد یوسف لدھیانوی، ایڈیٹر ماہنامہ بیّنات، کراچی اپنے خط مؤرخہ ۱۳۔ ۵۔ ۱۴۰۰ھ میں رقمطراز ہیں۔

"جناب پرویز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اور جس انداز میں لکھا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ان کا پلّہ جناب مودودی صاحب سے بھاری ہے۔"

اب ہم محترم پرویز صاحب کے کچھ نظریاتِ زندگی اور عقائد کا تذکرہ کرتے ہیں، جن سے قارئین کرام کو مزید معلومات حاصل ہو سکیں گی۔

۱۔ آپ نے علامہ اقبالؒ کے ایماء پر اپریل ۱۹۳۸ء کو طلوعِ اسلام رسالہ جاری کیا۔ اس کا پہلا شمارہ ان کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا اور ان کی نظر سے گزرا تھا۔ (ہفت روزہ نظریۂ پاکستان، لائل پور ۱۹۷۳ء)

۲۔ تحریکِ پاکستان کے صفِ اوّل کے مجاہدین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کے سلسلے میں پرویز صاحب نے جو کام کیا اس کیلئے اُس دور کے طلوعِ اسلام کے فائل گواہ ہیں۔ نیز پیر علی محمد راشدی نے روزنامہ جنگ راولپنڈی کی اشاعت مؤرخہ ۱۱ مئی ۱۹۸۲ء میں بالفاظِ ذیل اس کی شہادت دی ہے:۔

"پرویز صاحب جو اس زمانے میں وائسرائے کی کابینہ کے ڈپٹی سیکریٹری ہوتے تھے، اپنی نوکری یا انگریز اور ہندوؤں کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر مسلم لیگی حلقوں میں پھرتے اور ورکروں کے حوصلے بڑھاتے رہتے تھے۔ شاید ہی کوئی شام ایسی ہوتی تھی جب یہ مسلم لیگی کیمپ کا چکر نہ لگاتے تھے۔ سرکاری ریکارڈ سے متعلق خصوصاً اعداد و شمار کے بارے میں جس قدر معلومات کی ضرورت ہوتی تھی یہ فراہم کرتے تھے، ویسے یہ اپنی جگہ ایک عالم بھی تھے۔"

۳۔ آپ کو اجازت لئے بغیر حضرت قائدِ اعظمؒ سے ملاقات کا اذنِ عام حاصل تھا۔ بلکہ روزنامہ جنگ راولپنڈی کی اشاعت مؤرخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے مطابق آپ قائدِ اعظمؒ کے ذاتی مشیر تھے۔

۴۔ آپ کا گھرانہ فقہ حنفی سے متاثر رہا، لیکن آپ بعد میں کسی کے مقلد نہ تھے اور قرآن اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی راہنمائی کیلئے کافی سمجھتے تھے۔ جو اُن کی درجنوں کتابوں سے عیاں ہے۔

۵۔ آپ زندگی بھر عملی سیاست سے الگ رہے اور قرآنی نقطۂ نگاہ سے سیاستدانوں کے نظریات پر محاکمہ کرتے رہے۔

۶۔ آپ فرقہ بندی کو شرک سمجھتے تھے اور کتاب اللہ کے علاوہ کسی اور انسانی ساختہ قانون کے نفاذ کو ظلم اور کفر سمجھتے تھے۔

۷۔ آپ کلیدی عہدوں پر غیر مسلم افراد کے تقرر کے سخت خلاف تھے۔

۸۔ آپ نے اپنے آپ پر جذبات کو کبھی غالب نہ آنے دیا۔ گالیاں دینے والوں کو خندہ پیشانی سے جواب دیتے تھے۔

۹۔ آپ زمین کی قومی ملکیت کے حامی تھے۔ بغیر محنت کمائے گئے سرمایہ، نفع، کرایہ داری اور بٹائی کو سُود خیال کرتے تھے اور اس کے سخت خلاف تھے۔

۱۰۔ آپ نے خود کوئی فرقہ نہیں بنایا اور نہ کوئی نئی نماز ایجاد کی۔ طلوعِ اسلام کنونشن کے موقع پر حاضرین قریبی مساجد میں نماز پڑھتے تھے۔ یعنی مروّجہ نماز میں وہ تمام امّت کے ساتھ تھے۔ اور اس میں مزید فرقہ بندی پیدا کرنے کے خلاف تھے۔

۱۱۔ محترم پرویز صاحبؒ کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ ان کی تھیاکریسی کی مخالفت تھی۔ چنانچہ مودودی صاحب پرویز صاحب کا نام لئے بغیر لکھتے ہیں:

> "حال ہی میں ایک نیا اندازِ فکر پیدا ہوا ہے کہ اسلام میں پریسٹ ہُڈ نہیں۔ قرآن اور سنّت اور شریعت پر کوئی مُلّا اجارہ دار نہیں ہے کہ بس وہی اس کی تعبیر کرنے کا مجاز ہو۔ جس طرح وہ تعبیری احکام اور اجتہاد و استنباط کرنے کا حق رکھتا ہے، اسی طرح ہم بھی یہ حق رکھتے ہیں۔"
>
> (ترجمان القرآن، دسمبر ۱۹۵۳ء)

محترم پرویز صاحب تھیاکریسی کی جگہ، مسلم مجلسِ شوریٰ کو یہ حق دینا چاہتے تھے۔ وہی امّت کیلئے قانون سازی کرے اور مشورے دے۔ اگر علمائے کرام اس مجلسِ شوریٰ میں منتخب ہوکر پہنچ سکتے ہیں تو وہ ایسے علماء کے خلاف نہ تھے۔

تھیاکریسی کی یہی وہ مخالفت تھی جس کے نتیجہ میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ مولوی حضرات کے پاس تھیاکریسی کی کاکوئی دفاعی ہتھیار نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اوچھے ہتھیار اختیار کرکے پرویز صاحبؒ کے خلاف منکرِ حدیث اور منکرِ سنّت ہونے کا اتنا زوردار پروپیگنڈا کیا کہ ساری فضا اس سے متأثر ہوکر رہ گئی۔ اس کی ایک صدائے بازگشت پرائیویٹ شریعت بل تھا جو خود علماء حضرات ہی کی مخالفت سے از خود بے اثر ہوکر ختم ہوگیا۔

یہ ہیں محترم پرویز صاحب کے علمی کارنامے اور تھیاکریسی سے ان کی جنگ کی معرکہ آرائیاں ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دنیا کے مشکل ترین مسئلہ — تقدیر — کا قابلِ فہم اور بصیرت افروز حل

قرآن کریم کی روشنی میں

کتابُ التقدیر

محترم پرویز صاحبؒ کی کتاب

قیمت -/۶۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

روزوں کا مقصد

(پرویزؒ صاحب کا ایک درسِ قرآن)

قرآنِ کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (۲/۱۸۳) "اے جماعتِ مومنین! تم پر صیام فرض قرار دیئے گئے ہیں۔" یہ "کتاب" یعنی حکم ہے۔ اس کی غایات کے متعلق کہا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲/۱۸۳) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۲/۱۸۵) اور وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ (۲/۱۸۵)

تتقون سے مراد یہ ہے کہ تم میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے لئے پختگی پیدا ہو جائے اور تم غلط راہوں پر چلنے کے نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ۔ تشکرون، سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔ میں ان دو غایات کے متعلق سرِدست تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قرآنِ کریم نے جو غایت الغایات بتائی ہے اس پر مرکوز ہوں گا۔ اور وہ غایۃ الغایات یہ ہے کہ تم خدا کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے سے اس قابل ہو جاؤ گے کہ دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کر سکو۔ یہ ہے روزوں کے متعلق حکمِ خداوندی کا مقصود و منتہیٰ۔ یعنی خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جانا۔

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

سب سے پہلے لفظ "کبریائی" کو لیجئے۔ اس کے معنی حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ، فرعون کے پاس گئے اور اس تک خدا کا پیغام پہنچایا تو اہلِ فرعون نے کہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ہم اس کی غرض و غایت کو خوب پہچانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاۤءُ فِى الْاَرْضِ (۱۰/۷۸) "تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت تمہاری قائم ہو جائے۔ اقتدار تمہارے ہاتھ میں آجائے۔" اس سے لفظ "کبریائی" کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

---(۰)---

جہاں تک خارجی کائنات کا تعلق ہے اس میں خدا کا اقتدار اور اس کی حکمرانی براہِ راست قائم ہے۔ تمام کارگہ کائنات اسی کے قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے اور اس میں کسی شے کو مجالِ انحراف نہیں،

یارائے سرکشی نہیں: وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۴۵/۳۷) "کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کبریائی خدا کی ہے۔ وہ زبردست غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ مستبد حکمرانوں کا غلبہ نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔" دوسری جگہ ہے: وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ۔ (۴۳/۸۴) "وہی آسمانوں میں بھی صاحبِ اقتدار ہے اور وہی ارض پر بھی صاحبِ اقتدار۔" (الٰہ کے معنی صاحبِ اقتدار کے ہیں)۔

خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار از خود قائم ہے۔ لیکن اس کی مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس کی کبریائی از خود نہیں بلکہ انسانوں کے ہاتھوں قائم ہو۔ اسی مقصد کے لئے رسول بھیجے جاتے تھے اور رسول کے بعد اس کی ذمہ داری اس کی اُمت پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ جب نبی اکرم ؐ کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ "اے وہ کہ جس کی آمد سے خزاں دیدہ گلشنِ کائنات بہارِ نو کا مظہر بن جائے گا۔ (المدثر کے یہی معنی ہیں)۔ قُمْ فَأَنذِرْ۔ "اُٹھ اور نوعِ انسان کو ان کے اپنے وضع کردہ نظام ہائے حیات کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر دے۔" وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۷۴/۱-۲)۔ "اور ان نظاموں کی جگہ اس نظام کو قائم کر جس میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہو۔" ——— یہ تھا منصبِ رسالت۔

دوسرے مقام پر اسی حقیقت کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل بڑی وسعت چاہتی ہے۔ لیکن میں ان میں سے صرف دو ٹکڑوں کو نمایاں طور پر سامنے لاؤں گا۔ وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ۔ "حکومت صرف اسی کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔" اور اس سے آگے ہے، وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا۔ (۱۷/۱۱۱) "لہٰذا تم اس کی کبریائی قائم کرو۔" اسی اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو ایک جگہ اَلْمُتَكَبِّرُ (۵۹/۲۳) کہا ہے۔ کہیں اَلْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ (۱۳/۹) اور کہیں اَلْعَلِيُّ الْكَبِيرُ۔ (۲۲/۶۲) ہماری دنیا میں وہ اَلْعَلِيُّ الْكَبِيرُ۔ کیسے قرار پاتا ہے اس کی وضاحت اس نے یہ کہہ کر کر دی کہ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ (۴۰/۱۲) تمہاری دنیا میں حکم صرف اس خدا کا چلنا چاہیئے جو ہر قسم کے غلبہ اور کبریائی کا مالک ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نہ تو ہمارے سامنے آتا ہے۔ نہ وہ تختِ حکومت پر بیٹھتا ہے۔ نہ ہم اس کی آواز سنتے ہیں۔ تو ہمارے معاشرے میں اس کی حکومت کیسے قائم ہو گی؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ ——— اس نے ہماری طرف اپنا ضابطۂ احکام بھیج دیا ہے۔ جو حکومت اس ضابطہ کے مطابق قائم ہو گی اُسے خدا کی حکومت سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ (۵/۴۴)

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان ہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

———(۰)———

لیکن خدا کی یہ کبریائی یونہی بیٹھے بٹھائے، وعظ و نصیحت یا تقاریر و خطابات سے قائم نہیں ہو جاتی

جب اس کا مقصد دنیا کے ہر نظام کو اُلٹ کر اُس کی جگہ نظامِ خداوندی کو متمکن کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر حکومت کی طرف سے اس کی مخالفت ہوگی اور ہر مفاد پرست گروہ اس کی مزاحمت کرے گا۔ ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لئے میدانِ جنگ تک میں بھی جانا پڑے گا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں جماعتِ مومنین کی ان جنگوں کی غایت یہ بتائی گئی ہے:۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ (۹/۴۰)

اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی نظام مغلوب ہو جائے اور خدا کا نظام جسے غالب ہونے کا حق حاصل ہے، عملاً مسلط ہو جائے۔

اس سے چند ہی آیات پہلے کہا گیا ہے:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ (۹/۳۳)

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا تاکہ یہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آجائے۔ خواہ یہ تبدیلی ان لوگوں پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے جو خالص حکومتِ خداوندی قائم نہیں کرنا چاہتے۔

یہاں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس نے رسول کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ لیکن دیگر مقامات پر اس کی وضاحت کر دی کہ نظامِ خداوندی کا قیام تنہا رسول کے ہاتھوں سے عمل میں نہیں آئے گا۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کی معاونت و رفاقت بھی ضروری ہوگی۔ یعنی یہ فریضہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ (۴۸/۲۹) کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔

اللہ تعالےٰ نے الاعلیٰ اپنے آپ کو کہا تھا۔ لیکن جس جماعتِ مومنین کے ہاتھوں اس کی کبریائی دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ اس نے انہیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۳/۱۳۸)۔ "اگر تم مومن ہو اور مومن رہو گے تو دنیا میں تم ہی سب پر غالب رہو گے"۔ تمہارا قائم کردہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آجائے گا۔ اس غلبہ و تسلط کے لئے قرآنِ کریم نے إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ کی شرط عائد کر دی ہے۔ "یعنی اگر تم مومن ہوئے تو"۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟ اس کے لئے قرآن نے خود یہ واضح کر دیا کہ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ مومن نہیں کافر ہیں۔ لہٰذا مومن وہ ہیں جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں۔ اور اس کی محسوس نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر قوم پر غالب رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ

وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (۴/۱۴۱)

خدا کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا کہ غیر خداوندی نظام کی حامل قوم کو جماعتِ مومنین پر غالب آنے دے۔

لہٰذا یہ متعین کرنا بالکل آسان ہو گیا کہ ہم مؤمن ہیں یا نہیں؟

یہاں ایک عظیم نکتہ سامنے آتا ہے۔ خدا مؤمنین سے کہتا ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ لیکن مؤمن اس کی عطا کردہ اس سرفرازی کے جذبۂ تشکر کے احساس سے بے ساختہ اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے اور انتہائی انکساری اور خاکساری کے عالم میں کہتا ہے کہ اَلْاَعْلٰی میں نہیں۔ سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ——— اَلْاَعْلٰی کے شایانِ شان صرف تیری ذات ہے۔ یہ تو تیری عاجز نوازیاں ہیں، جو ہمیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ علو مرتبت ہماری ذاتی نہیں، تیری عطا فرمودہ ہے۔ اگر ہمارا سر تیرے سامنے نہیں جھکتا تو یہ ساری کبریائی جو ہمیں حاصل ہوئی ہے فرعون کی نہر یا نسبت ہے، مؤمن کی علو شان نہیں۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم نے حق پر مبنی کبریائی اور باطل پر مبنی کبریائی میں فرق کر کے بتا دیا جب کہا:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ (۷/۱۴۶)

جو لوگ الحق کے بغیر زمین میں غلبہ اور کبریائی حاصل کر لیتے ہیں، ہم اپنے قوانین کی رُو سے انہیں اس مقام سے ہٹا دیں گے۔ اور ان کی جگہ وہ قوم لے لے گی جس کی کبریائی الحق پر مبنی ہوگی۔

———(۰)———

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ روزوں کی غرض و غایت اور مقصود و مُنتہیٰ کیا تھا؟ ان کا مقصد جماعتِ مؤمنین کو اس کے لئے تیار کرنا تھا کہ وہ دنیا میں خدا کی کبریائی متمکن کر سکیں۔ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُمْ۔ صدرِ اوّل کی جماعتِ مؤمنین تیرہ برس تک مکّہ کی زندگی گذارنے کے بعد مدینہ میں آئی تا یہاں کی نسبتاً مساعد فضا میں نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھ دی جائے، لیکن مخالفین نے انہیں یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ تھا وہ مقام جب پہلی مرتبہ (سنہ ۲ ھ میں) روزے فرض ہوئے، اور ابھی سترہ دن کے روزے ہی رکھے گئے تھے کہ انہیں بدر کے میدان میں اترنا پڑا اور وہاں ان روزہ داروں نے خدا کی کبریائی کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ آپ نے غور فرمایا کہ روزوں کی غایت کیا تھی؟ — لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُمْ۔ خدا کے پروگرام کے مطابق ملک میں اس کی کبریائی قائم کرنا۔ اس زمانے میں مستقل فوج (STANDING ARMY) ہنوز وجود میں نہیں آئی تھی۔ قرآنِ مجید نے تمام مؤمنین کو مجاہدین (فوج کے سپاہی) قرار دیا تھا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ جس طرح آجکل مستقل فوج سے الگ ——— (RESERVISTS) ہوتے ہیں۔ وہ اپنا اپنا کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن انہیں سال میں ایک آدھ ماہ کے لئے بلا لیا جاتا ہے تاکہ وہ فوجی ٹریننگ کی تجدید کر لیں اور بوقتِ ضرورت فوج کے ہمدوش میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہوں۔ خدا کی کبریائی کا تمکن مؤمن مجاہدین کا فریضہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ انہیں سپاہیانہ زندگی کا خوگر بنانے کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ سے جب سوال کیا گیا کہ مؤمن کی زندگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ میدانِ جنگ میں ہو۔ اور جب جنگ نہ ہو رہی ہو تو جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو۔

آپ نے دیکھا کہ مؤمن کی زندگی کا مقصود و مُنتہیٰ دنیا میں خدا کی کبریائی کو متمکن کرنا ہے اور یہی مقصد

اس کے لئے رمضان کے مہینے کی تخصیص کیوں کی گئی، اسے خود خدا نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ۔
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (۲/۱۸۵) "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں نزولِ قرآن ہوا"۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے لئے نعمتِ عظمیٰ قرار دیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ تم ایسی متاع کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ؛
قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ (۱۰/۵۸)۔
اے رسول! ان سے کہہ دو کہ تمہیں یہ متاعِ گراں بہا بلا مزد و معاوضہ مل گئی ہے۔ اس کے ملنے پر تم جشن مناؤ۔ تم جو کچھ بھی دنیا میں جمع کرو، یہ اس سے زیادہ گراں قدر ہے۔
جسے عید الفطر کہا جاتا ہے وہ درحقیقت جشنِ نزولِ قرآن ہے۔ قرآن، خدا کی کبریائی کا ضابطۂ ہدایت ہے اور رمضان کے مہینے کے روزے مجاہدین کو خدا کی کبریائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کا پروگرام۔ اس پروگرام کے بخیر و خوبی انجام پانے پر جشنِ مسرت بالکل فطری عمل ہے۔
یہ تھا دین میں روزوں کا مقصد۔ یعنی لتکبروا اللہ علیٰ ما ھدٰکم۔ تاکہ زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے۔ لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہوگیا تو قرآنِ کریم کے یہ الفاظ تو باقی رہ گئے لیکن ان کی غرض وغایت بالکل بدل گئی۔ آپ قرآن کریم کا کوئی سا با ترجمہ نسخہ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ان آیات کا ترجمہ ان الفاظ میں ملے گا۔ "تاکہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو"۔ یعنی دین میں ان الفاظ کا مفہوم، خدا کی کبریائی قائم کرنا تھا۔ مذہب میں ان کا مطلب خدا کی بڑائی بیان کرنا رہ گیا۔ کبریائی قائم کرنے اور بڑائی بیان کرنے میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اس "بڑائی بیان کرنے" کے حکم کی اطاعت کے متعلق کہا گیا کہ نمازِ عید میں جو چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں ان سے اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اذان۔ نماز اور عیدین کی تکبیریں اپنی اپنی جگہ بجا اور درست، لیکن یہ تکبیریں ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ، یا ایک واقعہ کا اعلان تھیں۔ یعنی اس واقعہ کا اعلان کہ یہاں خدا کی کبریائی قائم ہے۔ اس حقیقت کے وقوع پذیر ہوئے بغیر، اس قسم کے اعلانات صرف چند الفاظ کا اعادہ ہیں۔ حقیقت اور اس کی رسمی ادائیگی کا یہی وہ فرق تھا جس کے احساس سے اقبالؒ کے دردمند دل نے باصد آہ و فغاں کہا تھا کہ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن — مُلّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور!
پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک جہاں میں — کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

مجاہد کی اذان تھی جو دن میں متعدد بار چھت اور مینارہ پر کھڑے ہو کر، دنیا میں اعلان کرتی تھی کہ
اَللّٰهُ اَكْبَرْ
کبریائی صرف خدا کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے بعد وہ اعلان کرتا تھا کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

میرا یہ اعلان اس حقیقت کی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ آپ نے کبھی اس پر کبھی غور فرمایا کہ اس اعلان میں یہ نہیں کہا گیا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں یا اعلان کرتا ہوں۔ کہا یہ گیا کہ میں اس حقیقت کی "شہادت دیتا ہوں"۔ شہادت اسی کی قابلِ قبول ہوتی ہے جسے اس بات کا ذاتی طور پر علم ہو۔ جو اس کا عینی شاہد ہو۔ اگر کوئی شخص عدالت میں جا کر یہ کہے کہ مجھے اس واقعہ کا ذاتی طور پر تو علم نہیں۔ میرا خیال یہ ہے۔ یا میں نے ایسا سُنا ہے تو اس کی شہادت کا قابلِ قبول ہونا تو درکنار اسے درخورِ سماعت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا، اشہد ان لا الٰہ اسی کا قابلِ قبول ہوگا جو یہ کہے کہ میں اس کا گواہ ہوں کہ یہاں خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ یہاں خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ یہاں حکمرانی صرف خدا کی ہے۔ جو اس حقیقت کا شاہد نہیں اُسے اشہد ان لا الٰہ اللہ کہنے کا حق حاصل نہیں۔ یہی وہ شہادت ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ "خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں ہے" وَالْمَلٰٓئِكَةُ "اور ملائکہ جو اس کے اس اقتدار کو بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں"۔ انہیں بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ بھی اس کی شہادت دیں، کیونکہ وہ اس کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے بعد ہے، وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ۔ "ان کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کی شہادت دے سکتے ہیں جنہیں اس کا علم بھی حاصل ہے اور پھر وہ ایسا نظام متشکل کئے ہوئے ہیں جس میں خدا کی میزانِ عدل قائم ہے"۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۳/۱۸) "خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں اور اس کا اقتدار تنہا قوت پر نہیں، بلکہ قوت کے ساتھ حکمت پر مبنی ہے"۔

آپ نے غور فرمایا کہ ــــــ قرآن کریم کی رُو سے اللہ اکبر کہنے کا حق کسے حاصل ہے؛ رمضان کے روزے جماعتِ مومنین کو اس قابل بنا دینے کے لئے تھے کہ وہ مُلک میں خدا کی کبریائی قائم کریں اور پھر ساری دنیا کے سامنے اس کی شہادت دے سکیں۔

یہ ہے عزیزانِ من، میری قرآنی بصیرت کے مطابق صیام کی غرض و غایت اور رمضان کا مقصد و منتہیٰ۔

والسلام

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

ــــــــ (۰) ــــــــ

(یہ ہوتا ہے انداز محترم پرویز صاحب کے درسِ قرآن کا۔ یہ درس ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ لاہور، میں ہر جمعہ کی صبح ۹½ بجے ہوتا ہے، اور مختلف شہروں کی بزم ہائے طلوع اسلام کے زیرِ اہتمام "ٹیپ ریکارڈر" پر۔ انفرادی طور پر حسبِ فرمائش، ان درسوں کے ٹیپ (CASSETTES) بھی مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ (ناظم ادارہ طلوع اسلام لاہور)۔

ــــــــ (۰) ــــــــ

ضروری التماس

• ترسیلِ زر کے لئے اکاؤنٹ نمبر نوٹ فرمالیجئے

طلوعِ اسلام ٹرسٹ ______ 4107-35

(برائے خرید کتب کیسٹس اور عطیات برائے طلوعِ اسلام ٹرسٹ) حبیب بینک لمیٹڈ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام ______ 3972-54

(برائے خرید رسالہ و عطیات برائے نشر و اشاعتِ فکرِ قرآنی) حبیب بینک لمیٹڈ۔ گلبرگ لاہور

۱۔ اشاعتی سکیموں، انتظامی امور اور مجلہ طلوعِ اسلام سے متعلق معاملات کے لئے ناظم ادارہ اور خرید کتب اور ٹرسٹ سے متعلق امور کیلئے مینجر طلوعِ اسلام ٹرسٹ کو الگ الگ لکھئے ورنہ تعمیلِ ارشاد میں دیر ہو سکتی ہے۔

۲۔ زرِ شرکت کے انتظار میں رسالہ دو ماہ تک ارسال کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ بوجھ برداشت کرنا ادارہ کے لئے ممکن نہیں ہے۔ رسالہ اگر آپ تک نہ پہنچے تو خط لکھنے سے پہلے زرِ شرکت کی ادائیگی پر نگاہ ڈال لیجئے!

۳۔ نمائندگانِ بزم اپنی ماہانہ رپورٹیں ہر ماہ دس تاریخ تک بھجوا دیں تاکہ ان کی خبریں ۱۵ تاریخ کو جاری ہونے والے خبرنامہ میں شامل ہو سکیں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام لاہور

پیغام بہ ملّتِ پاکستانیہ

ظہیر نیاز بیگی ۔ تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ

قلب و زبان میں ربط کا باہم جب تک ایک نظام نہ ہو
جب تک مُنہ سے نکلی بات کا دل میں کہیں مقام نہ ہو
جب تک قول عمل میں ڈھل کر پُورا اور تمام نہ ہو
وہ ہے ایک سراسر دھوکا، جھوٹ ہے کیوں کر خام نہ ہو
ڈرو خدا سے فکر کرو کچھ، مکر و ریا سے کام نہ لو یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ

محض اسلام کے نام پہ ہم نے حاصل پاکستان کیا
ہم سب ایک مسلماں قوم ہیں، دنیا میں اعلان کیا
اس نعرے پہ باہم مل کر آخر سر میدان کیا
حق نے اپنے بندوں کا یہ پُورا خُوب ارمان کیا
لیکن جس کو اپنانا تھا رُسوا وہ عنوان کیا
اس حالت میں آزادی کا دَور کہیں ناکام نہ ہو
ڈرو خدا سے فکر کرو کچھ، مکر و ریا سے کام نہ لو یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

یاد ہے جو کچھ عہد کیا تھا؟ کیا وہ ہم نے پالا ہے
کیا اسلام کے سانچے میں اب اپنے آپ کو ڈھالا ہے
یا اس نام پہ دھوکا دے کر اپنا کام نکالا ہے
اور اک محض نمائش کی خاطر یہ نام اُچھالا ہے
کیا اتنا بھی جانتے ہو وہ سب کچھ جاننے والا ہے
دیکھو کہیں یہ چُپکے سے ہی سارا کھیل تمام نہ ہو
ڈرو خدا سے فکر کرو کچھ مکر و ریا سے کام نہ لو یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

خالف غیر اللہ سے ہونا کفر کی ایک علامت ہے
مومن اور بتوں کے در پہ، کیا اعمال کی شامت ہے
ابلیسوں کے ہاتھ میں اہلِ حق کی آج امامت ہے
جن حالات میں ہم زندہ ہیں یہ بھی ایک کرامت ہے
اٹھو بچالو دین اور ایماں ابھی وجود سلامت ہے
پسِ حیات مبادا اپنا بدتر کوئی مقام نہ ہو
ڈرو خدا سے، فکر کرو کچھ، مکر و ریا سے کام نہ لو یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

جب تک اس خطے میں رائج قرآں کا فرمان نہیں
جب تک امن و عدل یہاں پر پاتا ہر انسان نہیں
جب تک ہر کمزور ضعیف کو حق ملنا آسان نہیں
جب تک کڑی سزا ظالم کو ملنے کا امکان نہیں
پاکستان اس دم تک ہرگز ہرگز پاکستان نہیں
جب تک دل سے دین کا دامن مضبوطی سے تھام نہ لو
ڈرو خدا سے فکر کرو کچھ، مکر و ریا سے کام نہ لو یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

تم ہو سب سے بہتر امت کیا یہ رتبہ یاد نہیں
مومن ہو تو سب پہ غالب، کیا اس کا ارشاد نہیں
جب بھی اسے پکارا تم نے، کہو ملی امداد نہیں
جو بھی کوئی بن گیا اس کا، دیکھا وہ ناشاد نہیں
سوچو ہم آزاد بھی ہو کر کیوں اب تک آزاد نہیں
ظالم قوم ظہیرؔ جہاں میں بننے کا الزام نہ لو
ڈرو خدا سے فکر کرو کچھ، مکر و ریا سے کام نہ لو یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

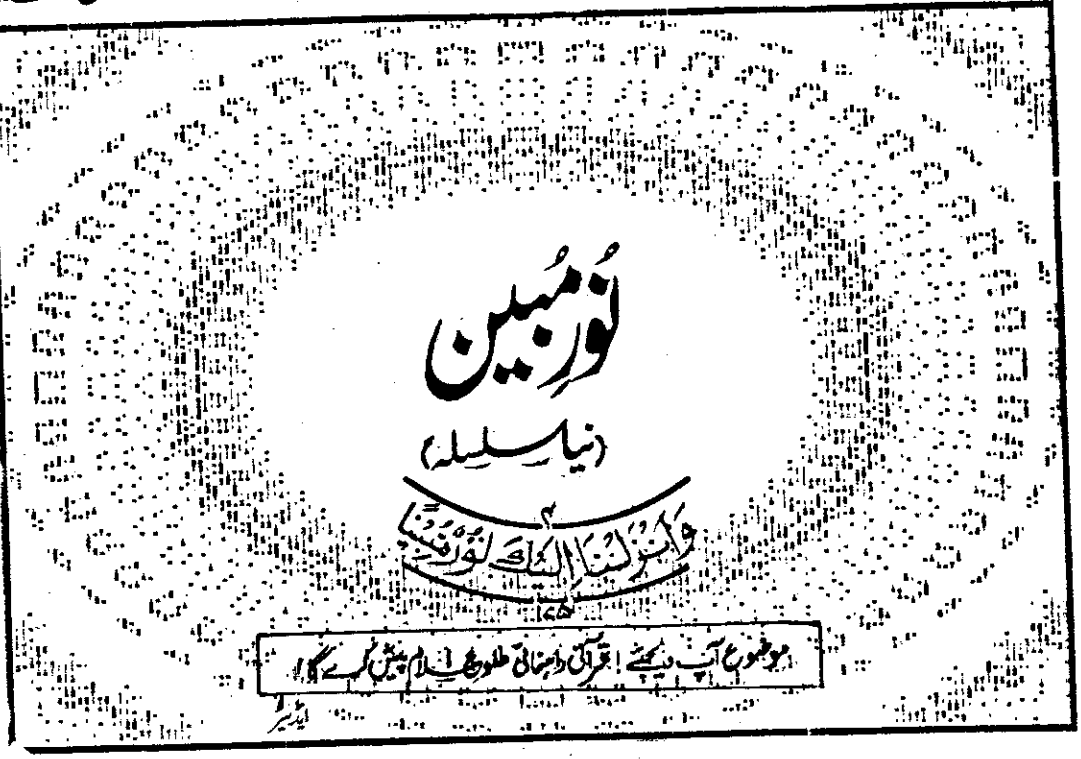

آدم

اس لفظ کا مادہ (ا۔د۔م) ہے۔ اُدْمَۃٌ کے معنی ہیں مل جل کر رہنے کی صلاحیت۔ باہمدگر مخلوط ہونا۔ اِدَامٌ کسی خاندان کا ایسا شمالی فرد جس سے، اس کے قبیلے کو پہچانا جائے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں آدم سے متعلق جو قصہ بیان ہوا ہے، وہ کسی ایک فرد یا کسی جوڑے۔ میاں بیوی کی داستان نہیں۔ وہ خود آدمی کی سرگزشت ہے جسے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قدیم انسان کی ابتدائی زندگی بڑے امن اور فراوانی کی زندگی تھی۔ جب اس نے مل جل کر رہنے کی تمدنی زندگی شروع کی تو ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ پیدا ہوا۔ اس ٹکراؤ کا نتیجہ فساد و ناہمواریاں تھا۔ اسے دور کرنے کے لیے خدا کی طرف سے وحی کی راہ نمائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ جب اس نے اس راہ نمائی کے مطابق زندگی بسر کی، اس کا معاشرہ جنت بداماں ہو گیا جب اس نے وہ راستہ چھوڑ دیا، پھر جہنمی زندگی شروع ہو گئی۔ یہی داستانِ آدم ہے۔ اس میں انسان کی بعض بنیادی خصوصیات اور نفسیاتی کیفیات کا بھی ذکر ہے یعنی اس کی حیوانی سطح زندگی کی جبلتوں (INSTINCTS) کا۔ اور وحی کی راہ نمائی میں زندگی بسر کرنے کی انسانی سطح کا بھی۔

تخلیقِ آدم

(۱) انسان کے وجود میں آنے سے پہلے زمین پر کوئی اور مخلوق بستی تھی جو اب ناپید (یا نگاہوں سے اوجھل) ہو چکی ہے۔ اسے الجانّ کہا گیا ہے۔ انسان اس مخلوق کا جانشین ہے۔ خلیفہ سے یہی مفہوم ہے ——

(۲ : ۳۰) —— (۲۸-۲۷ : ۱۵) —— (۷۱ : ۳۸)

(۲) ذکر ایک آدم یا اس کے جوڑے کا ہے لیکن صیغے جمع کے استعمال ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ پوری نوعِ انسانی کی بات ہو رہی ہے۔ (جوڑے سے مراد مرد اور عورت ہے) —— (۳۹-۳۸ : ۲) —— (۱۱ : ۷)۔

(۲۰ : ۱۲۳)

(۳) (حضرت) عیسےٰؑ کی تخلیق آدم (آدمی) کی پیدائش کی طرح تھی —— (۳ : ۵۸)

(۴) آدم اور بشر ایک ہی ہیں —— (۲۸ : ۱۵) —— (۳۳ : ۱۵) —— (۲۰ : ۳۰) —— (۷۱ : ۳۸)

انسانی ممکنات

(۱) انسان کو اشیائے کائنات کا علم عطا کر دیا گیا۔ یعنی اس میں اس امر کی امکانی صلاحیت ہے کہ یہ کائنات میں کارفرما عناصر کا علم حاصل کر سکے۔ اسی کو قوانینِ فطرت کہتے ہیں۔ ملائکہ کے آدم کو سجدہ کرنے سے یہی مراد ہے —— (۳۲-۳۰ : ۲)

(۲) انسان کو الوہیاتی توانائی (روحِ خداوندی) کا شمہ ڈال کر صاحبِ اختیار و ارادہ بنا دیا۔ اسی کو انسانی ذات کہتے ہیں —— (۲۹ : ۱۵) —— (۷۲ : ۳۸)

ملائکہ کا سجدہ

(۱) فطرت کی قوتیں انسان کے سامنے جھک سکتی ہیں۔ اسی کو ملائکہ کا سجدہ کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب انسان قوانینِ فطرت کا علم حاصل کر لیگا تو یہ قوتیں اس کے تابع تسخیر ہو جائیں گی —— (۳۴ : ۲)

—— (۱۱ : ۷) —— (۲۹ : ۱۵) —— (۶۱ : ۱۷) —— (۵۰ : ۱۸) —— (۱۱۶ : ۲۰) —— (۷۳-۷۲ : ۳۸)

ابلیس کی سرکشی اور چیلنج

(۱) انسان کے اپنے جذبات اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ سرکش اور بیباک ہو جاتے ہیں اسی کو ابلیس کا تکبر کہا گیا ہے ——— (۲:۳۴) ——— (۷:۱۱-۱۸) ——— (۱۵:۳۰-۴۱)
(۱۷:۶۱) ——— (۲۰:۱۱۶) ——— (۳۸:۷۴-۷۸)

(۲) قیامت تک مہلت (یعنی جب تک انسان دنیا میں ہے، اس کے جذبات اس کے ساتھ رہیں گے)
(۷:۱۲-۱۴) ——— (۱۵:۳۶-۳۸) ——— (۱۷:۶۲) ——— (۱۸:۵۰) ——— (۳۸:۷۹-۸۰)

(۳) خدا کے مخلص بندوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکے گا۔
(۱۵:۴۰) ——— (۱۷:۶۵) ——— (۳۸:۸۳)

ابلیس کی وسوسہ اندازی

(۱) آدم مرنا نہیں چاہتا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ تمہیں حیاتِ جاوید، اولاد کے ذریعے مل سکے گی۔ آدم میں جنسی شعور کی بیداری کے ذکر سے یہی مفہوم ہے ——— (۷:۱۹-۲۶) ——— (۲۰:۱۲۰-۱۲۱)

(۲) اسی سے نسل پرستی کا جذبہ بیدار ہوا اور انسانی برادری قبائل، شعوب اور پھر اقوام میں بٹ گئی۔ قرآن کا مقصد، ان تفریقات کو مٹا کر، نوعِ انسانی کو، آسمانی اقدار کی بنیادوں پر، پھر سے امتِ واحدہ بنا دینا ہے ——— (۲:۲۱۳)

آدم کی جنّت

(۱) اُس جنت (جنتی معاشرہ) کی کیفیت یہ تھی کہ اس میں "میری اور تیری" کا سوال نہ تھا۔ انسان جہاں سے جی چاہے فراوانی سے کھا پی سکتا تھا۔ ——— (۲:۳۵) ——— (۷:۱۹)

(۲) اس جنتی معاشرہ میں بھوک، پیاس، سردی، گرمی سے بچنے کا سامان ہر ایک کو میسر تھا۔ اس کیلئے کسی کو جگر پاش مشقتیں برداشت نہیں کرنی پڑتی تھیں۔ بنیادی ضروریاتِ زندگی ہر ایک کی پوری ہوتی تھیں ——— (۲۰:۱۱۶-۱۱۹)

(۳) تم میں سے جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتے گا اس کی روزی تنگ ہو جائے گی ——— (۲۰:۱۲۴)

شجرِ ممنوعہ

(۱) انسان سے کہا گیا کہ تم ایک برادری بن کر زندگی بسر کرو۔ باہمی مشاجرت (مخالفت یا پھوٹ) نہ ڈالو۔ لیکن اس کے سرکش جذباتِ مفاد پرستی نے پھوٹ ڈلوادی اور اس طرح وہ جنتی زندگی اس سے چھن گئی ——— (۲ : ۳۶) ——— (۷ : ۱۹) ——— (۲۰ : ۱۲۰)

آدم کی توبہ

(۱) آدم سے کہا گیا کہ تمہاری طرف خدا کی طرف سے راہ نمائی آئے گی۔ جو اس کا اتباع کرے گا اسے خوف اور حزن نہیں رہے گا۔ جو اس کے خلاف جائے گا، تباہ و برباد ہو جائے گا ——— (۲ : ۳۷-۳۹)

(۷ : ۲۳-۲۵) ——— (۷ : ۳۵-۳۶) ——— (۲۰ : ۱۲۱-۱۲۳)

(۲) آدم نے اپنی خطا کا اعتراف کیا۔ یعنی اپنے عمل کا اپنے آپ کو ذمہ دار ٹھہرایا تو توبہ قبول ہوئی۔ ابلیس نے کہا کہ خدا نے مجھ سے خطا کرائی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو مجبور بتایا تو پھٹکارا گیا ——— (۷ : ۱۶؛ ۲۳)

جو اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتا اس کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

آدم کی خون ریزی

آدم (آدمی) کے دو بیٹوں کا تمثیلی بیان کہ ان میں باہمی خونریزی کس طرح ہوتی ہے ——— (۵ : ۲۷-۳۱)

بنی آدم (یعنی نوعِ انسان)

(۱) بنی آدم کو تنبیہہ کہ تم اس داستان سے عبرت حاصل کرو ——— (۷ : ۲۶-۳۶)

(۲) انسانوں کے لئے لباس بنایا ——— (۷ : ۲۶)

(۳) کھاؤ پیو اور اطاعت گزاری حسین انداز سے کرو۔ دنیا کی زینت قابلِ نفرت نہیں ——— (۷ : ۳۱)

(۴) تمہاری طرف انبیاء آئیں گے ——— (۷ : ۳۵)

(۵) بنی آدم کو واجب التکریم بنایا ——— (۱۷ : ۷۰)

(۶) انبیاء ذریتِ آدم (بنی نوعِ انسان) سے تھے ——— (۱۹ : ۵۸)

(۷) بنی آدم سے کہا گیا کہ شیطان کی محکومیت اختیار نہ کریں ——— (۳۶ : ۶۰)

ایک فرد (آدم) کا ذکر

قرآن میں ایک جگہ آدم کا لفظ ایک فرد کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے جہاں کہا ہے کہ ہم آدم۔ نوح، آل ابراہیم، اور آل عمران کو برگزیدہ بنایا۔ (۳: ۳۳-۳۲)۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ کوئی فرد تھا جس کا نام آدم تھا۔ (اب بھی ADAM نام رکھا جاتا ہے)۔ آدم کی نبوت کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ اصطفاء (برگزیدگی) سے لازماً نبوت مراد نہیں۔ قرآن نے سلسلۂ انبیاء کی سرگزشت کا آغاز ہر جگہ حضرت نوحؑ سے کیا ہے۔

متفرقات

(۱) اس قدر موانعات اور مشکلات کے باوجود، نسلِ انسانی کا تسلسل، خدا کی ربوبیت کے پروگرام کی زندہ شہادت ہے ـــــ (۷: ۱۷۲)

(۲) تمام بنی آدم (انسانی بچے) یکساں طور پر واجب التکریم ہیں۔ لہٰذا، پیدائش کے اعتبار سے ایک دوسرے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھنی چاہیئے۔ اس سے عیسائیت کے اس عقیدے کا بھی ابطال ہو گیا کہ ہر انسانی بچہ پیدائشی طور پر گنہگار ہوتا ہے ـــــ (۱۷: ۷۰)

(۳) آدم کا جرم یہ تھا کہ اس میں عزم (پختگی) نہیں تھی۔ وہ بات بھول جاتا تھا ـــــ (۲۰: ۱۱۵)۔ (اس میں انسان کی نفسیاتی کمزوری کیطرف اشارہ ہے)

(نوٹ:۔ انسان کی پیدائش اور نسلِ انسانی کی افزائش کے لئے عنوان "انسان" دیکھئے)

(۱)

(پرویزؒ صاحب کی کتاب تبویب القرآن سے ماخوذ)

"قبلۂ اوّل"

محترم حسن عباس رضوی مرحوم کی علمی تحقیقی کاوش "قبلۂ اوّل" کتاب کی قیمت -/۳۵ روپے ہے اور یہ النور پرنٹرز و پبلشرز اور طلوعِ اسلام ٹرسٹ سے دستیاب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قندِ مکرّر

علامہ غلام احمد پرویزؒ

قائدِ اعظمؒ ـــــ اور ـــــ قرآنِ مجید

اے دوست! سنائیے جا بھولے ہوئے افسانے

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرمؐ سے فرمایا کہ: وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ (۱۴/۵) "تم انہیں اللہ کے [ایام] کی یاد دلایا کرو"۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ کائنات اور اس کے شب و روز سب خدا کے ہیں۔ پھر وہ کونسے دن ہیں جنہیں خدا نے خود اپنے دن کہہ کر پکارا ہے۔ یہ دن وہ ہیں جن میں [کوئی] ایسا انقلاب آفریں واقعہ ظہور پذیر ہوا ہو جو منشائے خداوندی کے مطابق ہو اور خدا کے پروگرام [کی] تکمیل کی کڑی قرار پائے۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے اُسی مقام پر واضح کر دیا ہے جہاں ایام اللہ [کی] یاد دلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں کہا یہ گیا ہے کہ ہم نے (حضرت) موسےٰؑ کو اپنے قوانین دے کر بھیجا اور اس سے کہا کہ جاؤ۔ اور أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۱۴/۵) [اپنی] قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر آزادی کی فضائے بسیط کی طرف لے آؤ جہاں وہ منشائے [خدا]وندی کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ یعنی تم اپنی قوم کو ظلم و استبداد کی تاریکیوں سے نکال کر [عد]ل و حریّت کی روشنی کی طرف لے آؤ۔

ایامِ اللہ اس سے واضح ہے کہ جس دن کوئی قوم انسانوں کی محکومیت اور غلامی سے رستگاری حاصل کر کے اطاعتِ خداوندی کو اپنا شعارِ زندگی قرار دے لے، اس دن کا شمار [ای]ام اللہ میں ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ۲۳ مارچ (سنہ ۱۹۴۰ء) کا دن ہماری تاریخ میں ایام اللہ [کے] زمرے میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ کہا جائے گا کہ دنیا میں سینکڑوں قومیں، دوسروں کی غلامی [س]ے نجات حاصل کرنے کے اپنی آزادی کا عزم کرتیں، اور اسے حاصل بھی کر لیتی ہیں۔ صدرِ اوّل کے بعد اس [ہزا]ر برس کے زمانے میں خود مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں جن میں انہوں نے دشمنوں کو [شک]ست دے کر اپنی آزادی کو حاصل کیا یا برقرار رکھا۔ اگر انہیں ایام اللہ قرار نہیں دیا جا سکتا تو پھر ۲۳ مارچ [(سنہ] ۱۹۴۰ء) میں کونسی ایسی خصوصیت ہے جس کی بنأ پر اس کا شمار ایام اللہ میں کیا جانا چاہیئے۔ ۲۳ مارچ [(سنہ] ۱۹۴۰ء) کو فی الواقعہ ایسی خصوصیت حاصل ہے ـــــ وہ خصوصیت یہ ہے کہ اس دن مسلمانانِ ہند

لئے، انگریز یا ہندو کی غلامی سے رستگاری حاصل کرنے کا عزم ہی نہیں کیا تھا۔ اس دن انہوں نے، ببانگِ دہل، اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کیا تھا کہ:-

(۱) مسلمان، ایمان کے اشتراک کی بنا پر، ایک مخنث قوم ہیں اور وہ کسی غیر مسلم قوم کا جزو نہیں بن سکتے۔ اور

(۲) ہم ایک ایسا خطۂ زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں جس میں ہم دینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

یہ ہے ۲۳ مارچ (۱۹۴۰ء) کی وہ امتیازی خصوصیت جس کی بناء پر اس کا شمار ایامِ اللہ میں ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ دیگر اقوام کی تحریکاتِ آزادی سے یکسر منفرد ہے۔

لیکن وائے برحالِ ما کہ ہم نے ۲۳ مارچ کی یاد کو تو برقرار رکھا لیکن اس کی وجہِ تخصیص کو یکسر فراموش کر دیا۔ پہلے تو ہم اس کی یاد، صرف ایک دن منایا کرتے تھے لیکن سالِ گذشتہ (۱۹۷۶ء) ہم اس کی یاد سال بھر مناتے رہے۔ جسے "قائدِ اعظمؒ کے جشنِ میلاد کا سال" نام دیا گیا تھا، وہ درحقیقت ۲۳ مارچ ہی کی ایک پھیلی ہوئی شکل تھی۔ اس لئے کہ اگر تاریخ کے اس دور سے اس عظیم انقلابی واقعہ کو خارج کر دیا جائے گا، تو پھر نہ تحریکِ پاکستان کا کوئی قابلِ ذکر وجود باقی رہتا ہے، نہ قائدِ اعظمؒ کی زندگی کا کوئی حیات آور تصور۔ اس طویل المسافت جشن کے سلسلہ میں سینکڑوں مذاکرات، سیمینار، مباحثات منعقد ہوئے۔ ہزارہا تقاریر ہوئیں۔ کثیر التعداد مقالات لکھے گئے۔ بکثرت کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اس کے مقطع کے بند کے طور پر بین الاقوامی سطح پر ایک عدیم النظیر کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پاکستان اور بیرونی ممالک کے قریب دو صد مندوبین نے شرکت کی۔ ان میں (۴۴) بیرونی ممالک کے (۹۰) سکالر بھی شریک تھے۔ کانفرنس پانچ دن تک جاری رہی جس میں ساٹھ سے زیادہ بلند پایہ علمی اور تحقیقاتی مقالات پڑھے گئے[۱]۔ ان تقاریر، مقالات اور تصانیف میں، قائدِ اعظمؒ اور تحریکِ پاکستان کے متعلق اور تو سب کچھ کہا گیا لیکن اس بنیادی خصوصیت کا ذکر کہیں سامنے نہیں آیا جس کی بناء پر، یہ تحریک، دیگر اقوام کی تحریکاتِ آزادی سے منفرد تھی۔ یعنی سال بھر میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس تحریک کی بنیاد قرآنِ مجید پر تھی اور قائدِ اعظمؒ کے پیشِ نظر ایک ایسی مملکت کا حصول اور قیام تھا جو کتاب اللہ کے حقائقِ ابدی پر استوار ہو اور جس کا جملہ کاروبار، خدا کی مقرر کردہ حدود و اصول کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس تحریک کو ہم آج دنیا کے سامنے اس شکل میں پیش کر رہے ہیں جس میں اس خصوصیت کا کوئی ذکر نہیں تو کل کو آنے والا مؤرخ اس کی اصل و حقیقت کو کیا سمجھے گا؟

مجھے، عزیزانِ من! اس کا فخر اور سعادت حاصل ہے کہ میں نے قریب دس سال تک، تا بحدِ امکان

---

[۱] بحوالہ طلوعِ اسلام بابت فروری ۱۹۷۷ء

۔۔عت، قائداعظمؒ کے زیرِ لوا، اس تحریک میں حصّہ لیا، اور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے جس عظیم اجلاس ملّتِ اسلامیہ نے اپنے اس عزم کا اظہار و اعلان کیا، میں اس میں نہ صرف انفرادی طور پر شریک بلکہ، پنڈال سے متصل، طلوعِ اسلام کا کیمپ، ان مذاکرات کا محور تھا۔ میں اس سے پہلے بھی اس ۔۔۔ کی وضاحت کر چکا ہوں کہ قائدِاعظمؒ (مرحوم و مغفور) کے ساتھ میرے تعلقات کی بنیاد بھی ۔۔ مجید، کے ساتھ ان کی والہانہ شیفتگی اور دلفروشانہ وابستگی تھی۔ لہٰذا میں اپنے ذاتی تعلقات کی ۔۔ پر اس حقیقتِ کبریٰ کا بلاخوفِ تردید اعلان کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ مطالبۂ پاکستان سے ان ۔۔ پیشِ نظر ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جس کا جملہ نظم و نسق قرآنی اصول و اقدار کے مطابق سرانجام ۔۔ے۔ بنابریں، میں اسے اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ قوم کو اس فراموش کردہ حقیقت کی یاد دلاتا رہوں کہ اس ۔۔ کو کس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا اور قائدِاعظمؒ کے پیشِ نظر اس کا کیا تصوّر تھا۔ میں، اپنی ۔۔تطاعت کے مطابق، تشکیلِ پاکستان کے یومِ تاسیس سے لے کر آج تک ہر موقعہ پر اس حقیقت کو ۔۔ے چلا آ رہا ہوں، اور جب تک توفیقِ ایزدی میرے شاملِ حال ہے، میں اپنے اس فریضہ کو سرانجام ۔۔ رہوں گا۔ یہی تحریکِ طلوعِ اسلام کا بھی مقصود و مطلوب ہے ؎

شاید کوئی غنچہ چٹکے، شاید کوئی پھول کھلے
اس اک آس پہ گلشن گلشن، ہم نے نغمے گائے ہیں

قائدِاعظمؒ نے اپنی سیاسی زندگی کا معتدبہ حصّہ، نیشنلسٹ کی حیثیت سے گذارا، اور اس دَور کے ۔۔و اور مسلمان نیشنلسٹوں میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ نیشنلسٹ مسلمان کے معنی یہ تھے کہ وہ اسلام ۔۔ مذہب سمجھتے تھے جس پر ہر حکومت کے اندر عمل پیرا ہوا جا سکتا ہے۔ قومیت کا معیار وطن کا اشتراک ۔۔ اور طرزِ حکومت مغرب کا جمہوری انداز۔ اسی کو سیکولرازم کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مسٹر ۔۔حؒ ان نظریات کے حامی اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے مسلسل مصروفِ تگ و تاز رہے۔ لیکن کچھ عرصہ ۔۔ عملی تجربہ کے بعد، ان پر اس نہج سیاست کی ناکامی کا راز عیاں ہو گیا۔ اور چونکہ دوسرا کوئی نظریہ ۔۔ کے سامنے تھا نہیں اس لئے وہ سیاست سے دست کش ہو کر، انگلستان جا بسے۔ علامہ اقبالؒ کی ۔۔وری نے اس گوہرِ یکتا کو پہچانا، اور اسلام کا نظریۂ سیاست و حکومت ان پر واشگاف کیا۔ ۔۔ جناحؒ جیسے کوہِ گراں کے نظریہ میں اس قسم کا انقلابی تغیّر پیدا کرنا، نہ تو بچوں کا کھیل تھا، ۔۔ نہ ہی ایک دن کا مسئلہ۔ چنانچہ ہیکٹر بولیتھو کے بیان کے مطابق، قریب دس سال کی بحث و تمحیص

مسٹر جناح کے نظریہ میں انقلاب

اور غور و فکر کے بعد، مسٹر جناحؒ اقبالؒ کے نظریہ سے متفق ہو کر ہندوستان لوٹ آئے۔ مسٹر جناحؒ ۔۔ کی طرف یہ مراجعت، ایک عظیم انقلاب کی تمہید تھی، جس کی کسی کو بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ کسی سیاسی ۔۔ کے زور پر مرغِ بادنما کی تبدیلیٔ سمت نہیں تھی ———— یہ قلب و دماغ کی تبدیلی تھی اور سالہا

۔۔حظہ ہو میرا مقالہ "عظمتِ کردار کا گوہرِ تابدار" ——— قائدِاعظمؒ

۲۔ اتنا زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔

سال کے غور و تدبر کا نتیجہ۔ چنانچہ جب ۱۹۳۷ء میں مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا پہلی بار اتفاق ہُوا تو میں نے دیکھا کہ وہ اسلام کے نظامِ حیات اور دین کے ضابطۂ زندگی ہونے کے تصوّر سے اچھی طرح روشناس تھے اور ان کی صداقت کے بہ صمیمِ قلب معترف۔ اس کے بعد قریب دس سال تک ان کے ساتھ میرا رابطہ رہا اور ہر ملاقات میں موضوعِ سخن بیشتر قرآنی اصول و اقدار کی عملی تفاصیل۔ ان جیسا ذکی الفہم انسان میری نظروں سے کم ہی گذرا ہوگا۔ وہ علامہ اقبالؒ کے اس معیارِ دیدہ وری کی جیتی جاگتی تصویر تھے ـــــ کہ خارے دید احوالِ چمن گفت ـــــ انہوں نے مسلمانانِ ہند کی سیاست کی بنیاد اسلام پر رکھی اور اس دس سالہ کش مکش میں، جس تکرار و اصرار سے قرآن کے پیغام کو پیش کیا، اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ میں اس مختصر سی صحبت میں اس نکتہ کی وضاحت کی کوشش کروں گا کہ انہوں نے کس طرح سیاست کی بنیاد اسلام پر استوار کی اور پھر کس طرح اسے قرآنی حقائق و شواہد سے محکم تر کرتے چلے گئے۔ وہ قرآن جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ ؎

فاش گویم، آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست، چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت، جاں دیگر شود — جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود!

قائدِ اعظمؒ اس راز کو پا گئے تھے۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، مسلمانانِ ہند نے اپنے اس عزم اور انقلابِ عظیم کا اعلان ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو، زیارت گاہِ اہلِ بصیرت، علامہ اقبالؒ کے مرقد کے سرہانے اپنے اس مشہور ریزولیشن کی شکل میں کیا جسے قراردادِ پاکستان کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس اجتماع کے بحرِ بے کنار سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظمؒ نے فرمایا:-

> میرے لئے یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی، اسلام اور ہندومت کی، حقیقت اور اصلیّت کو سمجھنے سے کیوں گریز کرتے ہیں ـــــ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں "مذہب" نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں اور اس بنا پر متحدہ قومیّت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھئے! ہندو اور مسلمان زندگی کے ہر معاملہ میں جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر قائم ہیں۔ دو ایسی قوموں کا ایک نظامِ حکومت میں جکڑ دینا، باہمی مناقشت کو بڑھائے گا اور بالآخر اِس نظام کو پاش پاش کر دے گا جو اس ملک کے لئے وضع کیا گیا ہو۔
>
> (تقاریرِ جناحؒ۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۱۷۸ - ۱۷۷)

آپ نے دیکھا کہ قائدِ اعظمؒ نے کیسے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ ہمارے مطالبہ کی بنیاد ہمارے دین کا تقاضا

ہے، نہ کہ ہنگامی سیاست۔ اس سے بھی پہلے، مسٹر گاندھی نے آپ پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ مذہب کو خواہ مخواہ سیاست میں گھسیٹ رہے ہیں۔ قائداعظمؒ نے اپنے خط مرقومہ یکم جنوری ۱۹۴۰ء کو، اس کا جواب ان الفاظ میں دیا تھا:۔

آج آپ اِس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے لیکن جب خود آپ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصود کیا ہے اور وہ کونسی قوتِ محرکہ ہے جو ہمیں آمادہ بہ عمل کرتی ہے۔ کیا وہ مذہب ہے یا سیاست؟ یا عمرانی اصلاح۔ تو آپ نے کہا تھا کہ وہ خالص مذہبی جذبہ ہے۔ (لہٰذا مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے ہو نہیں سکتے۔) آپ تمدنی، معاشی، سیاسی اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے۔ جس مذہب کو نوعِ انسان سے واسطہ نہیں، میں اُسے مذہب ہی تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب انسان کے ہر معاملہ کے لئے اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اگر مذہب نہ ہو تو انسانی اعمال اِس بنیاد سے محروم رہ جاتے ہیں، اور جب زندگی ایسی بنیاد سے محروم رہ جائے تو وہ انسانی زندگی نہیں، محض غوغہ آرائی اور ہنگامہ پروری بن کر رہ جاتی ہے۔ جس میں، شور و شغب تو بہت ہوتا ہے، لیکن مقصد کچھ نہیں ہوتا۔ (تقاریر جناحؒ۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۴۰ - ۱۳۹)

آپ اس خط کے ایک ایک لفظ پر غور فرمائیے اور پھر سامنے لائیے علامہ اقبالؒ کی اس بصیرت افروز نظم کو جو "دین و سیاست" کے عنوان سے، بالِ جبریل، میں درج ہے اور جس میں انہوں نے کہا ہے ؎

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی، سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری!
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشینؐ کا بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و بایزیدی

آپ اس نظم کو دیکھیں اور پھر سوچیں کہ صحبتِ حکیم الاُمتؒ نے مسٹر جناحؒ کے قلب و نگاہ میں کس قدر گہرا قرآنی انقلاب پیدا کر دیا تھا، اور وہ غیر ذمہ دار، منہ پھٹ جو آج اقبالؒ کو کمیونزم کا حامی اور قائداعظمؒ کو سوشلسٹ اور سیکولر اسٹیٹ کا داعی قرار دیتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے، غور کریں کہ ان کی سیاست، کس طرح دین کی بنیادوں پر استوار تھی۔ اور ان کے ساتھ ہی دین اور سیاست میں علیحدگی یا زندگی کو الگ الگ مذہبی، سیاسی، معاشی، دوائر میں تقسیم کرنے کے داعی بھی سوچیں کہ کیا وہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے نظریات کا اتباع کرتے ہیں یا مغرب کے سیکولر نظریۂ سیاست کا! قائداعظمؒ نے ۱۳ر نومبر ۱۹۳۹ء

اسلام بنیاد وحدت

کو ریڈیو پر پیغامِ عید نشر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-
معاشی احیاء ہو یا سیاسی آزادی - اسے آخرالامر زندگی کے کسی گہرے مفہوم پر مبنی ہونا چاہیئے - اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہمارے نزدیک زندگی کا وہ گہرا مفہوم اسلام اور روحِ اسلام ہے۔ (تقاریر - جلد اوّل - ص۱۰۸)

انہوں نے مارچ ۱۹۴۴ء میں، پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ذاتوں اور برادریوں کی تقسیم، اور شیعہ سنی کی تفریق ہمیں ایک قوم نہیں بننے دے گی۔ ان تفریقات کو ختم کر دیجئے۔ یاد رکھیئے۔

ہماری کشتی کا لنگر اور ہماری عمارت کی بنیاد صرف اسلام ہے۔ (تقاریر - جلد دوم - ص۸۹)

انہوں نے ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم لیگ کانفرنس، پشاور سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-
سوال یہ ہے کہ جس آزادی کے لئے ہم جدّوجہد کر رہے ہیں اس کے حصول کے لئے ہمارے پاس قوت کونسی ہے ؟ ہماری وہ قوت، ہمارا مذہب - ہماری ثقافت اور اسلامک آئیڈیلز (نظریات) ہیں۔ (تقاریر - جلد دوم - ص۳۳۸)

انہوں نے ۱۹۴۵ء میں اپنے پیغامِ عید میں قوم سے کہا:-
یاد رکھیئے - اسلام صرف روحانی احکام اور نظریات یا مذہبی رسوم و مراسم کا نام نہیں - یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اسلامی معاشرہ کے ہر گوشے کو محیط ہے ـــــ خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو اور خواہ حیاتِ اجتماعیہ سے (تقاریر - جلد دوم - ص۳۰۱)

کہاں ہیں وہ لوگ جو اسلام کا نام لینے کے باوجود، سیاست کے لئے مغربی جمہوریت اور معیشت کے لئے رُوس یا چین کی طرف آنکھیں لگائے رکھتے ہیں۔ وہ اگر قرآن کی زبان سے براہِ راست نہیں سننا چاہتے تو کم از کم قائدِاعظمؒ کی وساطت سے یہ پیغامِ خداوندی سُن لیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اسلامی معاشرہ کے ہر گوشے کو محیط ہے۔ قائدِاعظمؒ کا اس پر ایمان تھا کہ اسلام دین ہے اور دین سے مقصد ہے۔ انسانی زندگی کے ہر گوشے - سیاسی - معاشی - معاشرتی ـــــ وغیرہ کے لئے مکمل نظام اور ضابطہ اسی بنا پر انہوں نے ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-
مسلمان اس لئے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مملکت میں وہ اپنے ضابطۂ زندگی - اپنے ثقافتی نشو و نما اور روایات - اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔
(تقاریر - جلد دوم - ص۳۳۳)

اسی طرح انہوں نے ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایڈورڈس کالج، پشاور، کے طلباء کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:-
ہم، ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں - نہ صرف یہ کہ ہمارا مذہب ایک دوسرے سے مختلف ہے، بلکہ ہمارا کلچر بھی الگ الگ ہے - ہمارا مذہب ہمیں ایک ایسا ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے

کو محیط ہے۔ ہم اسی ضابطہ کے آئیڈیلز کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔
(تقاریر۔ حصہ دوم۔ ص ۳۴۶)

آپ نے غور فرمایا کہ قائدِ اعظمؒ ہر تقریب اور ہر موقعہ پر، کس طرح اسلام، اسلامی نظام۔ اسلامی ضابطۂ حیات کے الفاظ دہرائے چلے جاتے تھے تاکہ کسی کو اس باب میں کسی قسم کی غلط فہمی یا ابہام نہ رہے کہ مطالبۂ پاکستان کا جذبۂ محرکہ کیا ہے اور اس مملکت کی تشکیل سے مطلوب و مقصود کیا۔ ہمارے دور میں یہ تصورات علامہ اقبالؒ کی قرآنی بصیرت کے رہینِ منت تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی، حکیم الامتؒ اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھے کہ اس ہزار سال میں لفظ اسلام کو کیا کیا معنی پہنائے گئے ہیں، اور آج کس طرح ہر فرقہ اس کا الگ الگ مفہوم پیش کرتا، اور اپنے، اور صرف اپنے مفہوم کو، حقیقی اسلام قرار دیتا ہے۔ اس تشتّتِ فکر و خیال اور اختلافِ نظریات و مسالک کے پیشِ نظر انہوں نے ضروری سمجھا کہ

قرآنِ مجید

اس حقیقت کو واضح اور متعین طور پر بیان کر دیا جائے کہ اسلام کی اصل و اساس خدا کی کتابِ عظیم، قرآن مجید ہے اور اسلامی مملکت کی جملہ تفاصیل اسی بنیاد پر متفرع ہوں گی۔ سرِدست نہ تو اتنا وقت ہے اور نہ ہی میرے پیشِ نظر یہ موضوع۔ میرا ارادہ ہے کہ آئندہ اپریل، یومِ اقبالؒ کی تقریب پر میں، تفصیل سے عرض کروں کہ علامہ اقبالؒ نے قرآن کا کیا مقام بتایا ہے، اور اُسے کس طرح اسلامی مملکت کے لئے مکمل ضابطۂ حیات قرار دیا ہے۔ اس وقت میں صرف ان کے ایک شعر پر اکتفا کروں گا جس میں ساری بحث سمٹ کر آ جاتی ہے کہ ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بقرآں زیستن

علامہ اقبالؒ کے ساتھ اس قدر طویل تمسک سے قائدِ اعظمؒ بھی اس حقیقت کو اچھی طرح جان اور پہچان گئے تھے کہ دین کی اصل و اساس قرآنِ مجید ہے اور یہی وہ ضابطۂ حیات ہے جس کے مطابق نظام قائم کرنے سے ایک مملکت اسلامی کہلا سکتی ہے۔ دیکھئے، وہ مختلف مواقع پر اس بنیادی حقیقت کی وضاحت کس کس انداز سے کرتے تھے۔

اپریل ۱۹۴۳ء کا ذکر ہے کہ صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائدِ اعظمؒ سے ایک پیغام کے لئے درخواست کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا:-

> تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں۔ میں تمہیں کیا پیغام دوں جبکہ ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری راہ نمائی اور بصیرت افروزی کے لئے کافی ہے ــــ وہ پیغام ہے خدا کی کتابِ عظیم ــــ قرآنِ کریم۔
> (تقاریر۔ جلد اوّل۔ ص ۵۱۶)

یہ پیغام خود خدا نے، حضور نبئ اکرمؐ کی لسانِ مبارک سے دیا تھا جب کہا تھا کہ: أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ۔ (۲۹/۵۱) کیا یہ چیز ان کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو نازل کیا ہے جسے ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے؟ اسی حقیقت کا حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ان تین جامع الفاظ میں اعلان فرمایا تھا کہ۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔ ہمارے

لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔ یہی انقلاب آفریں اعلان تھا جسے حضور نبی اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اُمت کے جمِ غفیر کے سامنے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ :-

و انی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہٗ ان اعتصمتم بہٖ ـــ کتاب اللہ

(سیرت، شبلی نعمانی۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۵۶ ۔ بحوالہ صحاح)

مَیں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا، تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ۔

علامہ اقبالؒ نے بھی اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے، اور ان کا یہ مصرعہ تو وردِ زبان رکھنے کے قابل ہے کہ :- ؎

مومناں را تیغ با قرآں بس است

قائدِ اعظمؒ نے اس مقام پر تو صرف اتنا کہا کہ جب ہمارے پاس پہلے ہی سے ایک عظیم پیغام موجود ہے تو اس کے بعد کسی اور پیغام کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ مختلف تقاریب پر اس اجمال کی تفصیل پیش کرتے رہے کہ قرآن کریم کس طرح زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ مثلاً انہوں نے ۱۹۴۵ء میں ملّت کے نام پیغامِ عید کے سلسلہ میں فرمایا:

اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ قرآن کے احکام مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں مشہور مؤرخ گبن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "بحر اطلانتک سے لے کر گنگا تک، ہر جگہ قرآن کو ضابطۂ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوعِ انسان کے تمام اعمال و احوال کو محیط ہیں۔ اور یہ قوانین غیر متبدّل منشائے خداوندی کے مظہر ہیں"۔

اس کے بعد قائدِ اعظمؒ فرماتے ہیں :-

اس حقیقت سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطۂ زندگی ہے جو معاشرت، مذہب، تجارت، عدالت، فوج، دیوانی، فوجداری اور تعزیرات کے ضوابط کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روزمرہ کے معمولات۔ روح کی نجات کا سوال ہو، یا بدن کی صفائی کا۔ اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا انفرادی واجبات کا۔ عام اخلاقیات ہوں یا جرائم۔ دنیاوی سزا کا سوال ہو یا آخرت کے مؤاخذہ کا ـــــ ان سب کے لئے اس میں قوانین موجود ہیں اسی لئے نبی اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان قرآن کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جائے۔ (انہیں الگ مذہبی پیشواؤں کی ضرورت ہی نہیں۔)

(تقاریر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۰۰)

جیسا کہ معلوم ہے، مطالبۂ پاکستان سے مقصود ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جس میں اسلامی نظامِ شریعت نافذ ہو سکے، اس پر غیروں کی طرف سے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا تھا، اور انہوں کے دل میں اس قسم کے

...ں اُبھرتے تھے کہ مسلمانوں میں مختلف مذہبی فرقے ہیں اور ان کے باہمی تفرقہ کا یہ عالم ہے کہ ایک فرقہ کے متبعین، دوسرے فرقہ والوں کے ساتھ مل کر نماز تک نہیں پڑھ سکتے، تو ان حالات میں وہ ضابطۂ قوانین کس طرح مرتب کیا جا سکے گا جو ان کے اختلافات کو ختم کرکے، انہیں اسلامی مملکت کے متفق علیہ واحد "ضابطۂ شریعت"...... کی طرف لے آئے۔ قائدِاعظمؒ کو اس مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کا بخوبی احساس تھا، اور اس پر، خود میرے ساتھ اکثر گفتگو رہا کرتی تھی۔ لیکن وہ فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں، اس حقیقت تک پہنچ چکے تھے کہ اگر قرآنِ مجید کو ضابطۂ قوانین کی اصل و اساس قرار دے دیا جائے تو یہ اختلافات مٹ جائیں گے۔ ہمارے مذہبی فرقوں کے باہمی اختلافات کا انہیں کس قدر علم و احساس تھا، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے کہ ایک تبلیغی وفد نے جس میں مقتدر علماء حضرات شامل تھے، قائداعظمؒ سے ملاقات کی۔ ان حضرات نے دورانِ گفتگو، قائداعظمؒ سے کہا کہ آپ مسلم لیگ کے جلسوں کے لئے اس قدر وسیع و عریض پنڈال کھڑے کرتے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو جمع کرتے ہیں۔ اس سے آپ کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ قائدِاعظمؒ نے کہا کہ، علاوہ دیگر امور، اس سے غیرمسلموں کے دل پر ملتِ اسلامیہ کے اتحاد اور ان کی ہیئتِ اجتماعیہ کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کے لئے ہم آپ کو اس سے زیادہ مؤثر طریق بتاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ آپ نماز کے وقت اسی پنڈال میں باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام کیا کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ نماز کی اہمیت سے تو مجھے انکار نہیں لیکن آپ کی تجویز میں مجھے ایک خطرہ نظر آتا ہے۔ نماز باجماعت میں ایک امام کا ہونا ضروری ہے۔ اگر میں خود امامت

میں امام کس کو بناؤں؟

کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو شاید تمام حاضرین میرے پیچھے نماز پڑھ لینے میں مضائقہ نہ سمجھیں۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوگا کہ امام کسے بنایا جائے۔ اگر امام دیوبندی ہوگا تو بریلوی حضرات اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیں گے۔ اس صورتِ حال میں یہی ہوگا کہ ایک ہی پنڈال میں، مختلف جماعتیں کھڑی ہو جائیں گی۔ اس سے غیرمسلموں کے سامنے امتِ مسلمہ کے اختلافات نمایاں ہو جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ جو قوم ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتی، وہ ایک متفق علیہ اسلامی مملکت کیسے قائم کر لے گی؟ اس لئے معاف فرمائیے۔ اس وقت تو میں آپ کی تجویز پر عمل کرنے سے معذور ہوں۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔[1]

ضمناً آپ کو یاد ہوگا کہ حالیہ (۱۹۷۷ء کے) انتخابات کی مہم کے دوران، محترم کوثر نیازی صاحب نے یہ چیلنج دیا تھا کہ اگر "قومی اتحاد" والوں میں سے مفتی محمود۔ مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا مودودی صاحب حبیب لائنز کراچی کی جامع مسجد میں، اکٹھے نماز پڑھ لیں تو وہ پیپلز پارٹی کے امیدوار، کمال اظفر سے کہیں گے

---

(1) "تعمیرِ پاکستان اور علماء ربانی" از منشی عبدالرحمٰن صاحب۔ بحوالہ "اسلام اور قائداعظمؒ" از محمد حنیف شاہد (ص ۳۸)۔

کہ وہ اس حلقہ سے دست کش ہو جائیں۔

ان حضرات کے فرقہ وارانہ اختلافات اس قدر گہرے اور شدید ہیں۔ قائدِ اعظمؒ نے مذکورہ بالا واقعہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ لیکن وہ اسلامی مملکت کی اصل و اساس کو پا چکے تھے۔ انہیں اس کا یقین تھا کہ اگر فرقہ وارانہ اختلافات سے بلند ہو کر، قرآن مجید کو اسلامی اور غیر اسلامی کا معیار و مدار قرار دے لیا جائے تو اُمّت میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ انہوں نے نومبر ۱۹۳۹ء میں قوم کے نام پیغامِ عید میں کہا تھا کہ:۔

جب ہمارے پاس قرآنِ کریم ایسی مشعلِ ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے۔ (تقاریر۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۱۰۸)

یہ خود قرآنِ کریم کے اس ارشاد کی وضاحت ہے کہ: وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (۴۲/۱۰) تم میں اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ خدا (کی کتاب) سے لو۔ اس سے اختلاف مٹ جائے گا۔ اس حقیقت کو قائدِ اعظمؒ نے، دسمبر ۱۹۴۳ء کے کراچی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے خطاب میں واضح تر الفاظ میں بیان کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود ہی یہ سوال اٹھایا کہ:۔

وہ کونسا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملّت کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد خود ہی ان سوالات کا جواب ان الفاظ میں دیا:۔

وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر، خدا کی کتابِ عظیم قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔

ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول، فلہٰذا ایک قوم۔ (تقاریر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۵)

مَیں نے ابھی ابھی کہا ہے کہ قائدِ اعظمؒ کے سامنے یہ حقیقت آئینے کی طرح عیاں، واضح اور شفاف تھی کہ اسلامی مملکت اسے کہا جائے گا جو قرآنِ کریم کے ابدی اور غیر متبدّل اصول و اقدار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنا کاروبارِ حکومت سرانجام دے۔ اس حقیقت کو انہوں نے جن واشگاف الفاظ میں، ۱۹۴۱ء میں، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد (دکن) کے طلبا کو انٹرویو دیتے ہوئے بیان کیا تھا، مجھے (علامہ اقبالؒ کے سوا) اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ میں اس انٹرویو کو اس سے پہلے بھی متعدد بار پیش کر چکا ہوں، لیکن وہ ایسا اہم اور بنیادی ہے کہ میں اسے سینکڑوں بار دُہرانے کے لئے کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اور موجودہ حالات میں اس کے عیاں اور بیاں کرنے کی ضرورت اور بھی شدید ہو گئی ہے کہ ملّتِ پاکستانیہ اس نصب العین سے دُور ہٹتی جا رہی ہے، اور مجھے خدشہ ہے کہ اگر حالات کی رفتار ایسی ہی رہی تو وہ نصب العین کی نگاہوں سے یکسر اوجھل ہو جائے گا (یا کر دیا جائے گا)۔ بنابریں، میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ جب

حیدرآباد کا انٹرویو

میرے دم میں دم ہے، اس حقیقت کو بتوفیق ایزدی، دھرائے چلا جاؤں ؎

غزل سرائم و پیغام آشنا گویم
بایں بہانہ دریں بزم محرمے جویم

انٹرویو میں ان طلباء نے پہلا سوال یہ کیا کہ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں۔ اس کے جواب میں قائداعظمؒ نے فرمایا:-

جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورہ کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقیّد مفہوم یا تصوّر نہیں ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں، نہ مُلّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآنِ مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا رُوحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآنِ کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریقِ کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصّہ ہے، اس سے بہتر تصوّر ناممکن ہے۔

سوال:- اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:- اشتراکیت، بالشویت یا دیگر اِسی قسم کے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظامِ سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا۔

اس کے بعد ان طلبا نے یہ سوال کیا کہ ترکی حکومت ایک مادی حکومت (سیکولر اسٹیٹ) ہے۔ کیا اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے؟ سوال آپ نے سن لیا۔ اب قائداعظمؒ کا جواب سُنیئے اور غور کیجئے کہ کیا اس قدر جامع اور مانع الفاظ میں اسلامی حکومت کا صحیح تصوّر کہیں اور بھی ملتا ہے؟ فرمایا:-

میرے خیال میں ترکی حکومت پر مادّی حکومت کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصوّر کا امتیاز، سو یہ بالکل واضح ہے۔ اسلامی حکومت کے تصوّر کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعیّن کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد ان طلبا نے سوال کیا کہ وہ مملکت ہمیں ہندوستان میں کس طرح مل سکتی ہے ؟ اس کے جواب میں آ
نے کہا کہ " مسلم لیگ۔ اس کی تنظیم اور اس کی جد و جہد، اس کا رُخ، اس کی راہ، سب اس سوال کے
جواب ہیں" اس جواب کے مختصر الفاظ میں تحریکِ پاکستان کی پوری غرض و غایت اور مطالبۂ پاکستان کا جذ
محرکہ سمٹ کر سامنے آ جاتا ہے۔ اس کے بعد طلبا نے ایک دلچسپ سوال کر ڈالا۔ لیکن قائدِ اعظمؒ نے اس کے جوا
میں جو کچھ فرمایا اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ علامہ اقبالؒ کی ہم نوائی میں وہ بھی اس سے متفق تھے

میں جانتا ہوں انجام اس کا جس معرکے کے، ملّا ہوں غازی

آپ، وہ سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے :-

سوال :- جب آپ اسلامی اصول کے نصب العین اور طریقِ کار دونوں میں بہترین حکومت کا یقین رکھتے ہیں اور اجمالاً یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خود مختار علاقے اس لئے مطلوب ہیں کہ وہاں وہ اپنے ذہنی میلانات اور تصوراتِ زندگی کو بلا روک ٹوک بروئے کار اور رُو بہ ترقی لا سکیں، تو پھر اس میں کونسا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ اپنی جدّ و جہد کی مذہبی تعبیر و تشریح کر دے ؟

جواب :- دقّت یہ ہے کہ جب اس جدّ و جہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت، بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیّت، تقسیمِ عمل اور اس کے اصلی حدود کیا ہیں، ان امور کو صرف چند مولویوں کا اجارہ خیال کر لیتی ہے، اور اپنے حلقہ سے باہر اہلیّت و استعداد کے باوجود مجھ میں یا آپ میں (یعنی ان کے اپنے سوا کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی۔ حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، انہیں میں، ان مولوی صاحبان میں (الّا ماشاء اللہ) نہیں پاتا۔ (اور مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔

تھیاکریسی نہیں ہو گی

یہی وجہ ہے جو تشکیلِ پاکستان کے بعد قائدِ اعظمؒ نے ساری دنیا سے برملا تھا کہ مملکتِ پاکستان میں تھیاکریسی نہیں ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے فروری ۴۸ء میں بہ حیثیت گورنر جنرل پاکستان، اہلِ امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا :-

پاکستان، کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار، جمہوری انداز کا ہو گا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اُسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدتِ انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئینِ پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں، ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو، یہ مسلّمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہو گی، جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ

بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پُورا کریں۔ (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل - ص۶۵)

کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ یہ مملکت ایسے دو خطوں پر مشتمل ہے جن میں ہزار میل
ہے۔ ایسے دو خطوں میں وحدتِ حکومت کس طرح ممکن ہو گی۔ قائدِ اعظمؒ نے اس سوال کا جواب اپنے اس
سٹ میں دیا جسے انہوں نے ۱۹ر فروری ۱۹۴۸ء کو آسٹریلیا کے باشندوں کے نام نشر کیا تھا۔ اس میں
نے پہلے یہ فرمایا:۔

مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان سے قریب ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہے اور ان کے درمیان مملکتِ ہند کا علاقہ حائل ہے۔ بیرونی ممالک کے ایک طالب علم کے دل میں جو پہلا سوال اُبھرے گا وہ یہ ہوگا کہ ایسی مملکت کا قیام کس طرح ممکن ہوگا۔ ایسے دو خطوں میں، جن میں اس قدر بُعد ہو، وحدتِ حکومت کس طرح ممکن ہو گی۔ مَیں اس سوال کا جواب صرف ایک لفظ میں دوں گا۔ اور وہ یہ کہ ایسا ہمارے ایمان کی رُو سے ہوگا۔ ایمان خدا پر، ایمان اپنے آپ پر، ایمان اپنے مستقبل پر۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ہم سے اچھی طرح واقف نہیں، وہ ایسے مختصر سے جواب کا پورا پورا مفہوم سمجھ نہیں سکیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بھی بیان کر دوں۔

کے بعد انہوں نے فرمایا:۔

پاکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم محمدؐ رسول اللہ کی تعلیم کے پیرو ہیں۔ ہم اس اسلامی برادری کے ارکان ہیں جن میں حقوق، شرف و احترام اور تکریمِ ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہوتے ہیں۔ بنابریں ہم میں اخوت اور وحدت کا بڑا گہرا جذبہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے اور اپنی رسوم و روایات۔ ہم اپنے نظریاتِ زندگی، نقطۂ نگاہ اور احساس دروں کے مالک ہیں اور یہی ہیں وہ عوامل جو قومیت کی تشکیل کا مدار بنتے ہیں۔ (ان بنیادوں پر ہم ایک قوم بنتے ہیں۔) (تقاریر بحیثیت گورنر جنرل - ص۵۸)

براڈکاسٹ میں ایک نکتہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ انہوں نے کہا یہ ہے کہ ہم مشرق میں ہوں یا
ب میں، ہمارے ملّتِ واحدہ ہونے کی ضمانت یہ ہے کہ ہم سب ایک رسولؐ کی اُمت ہیں۔ دین میں
ت تو قوانینِ خداوندی کی ہوتی ہے، لیکن اُمت کی تشکیل رسولؐ کی طرف نسبت اور اس پر ایمان کی
سے ہوتی ہے۔ بنابریں، ایک رسولؐ پر ایمان لانے کا لازمی اور فطری نتیجہ وحدتِ اُمت ہونا چاہیئے۔

امتِ محمدیہ کی وحدت

قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کر دیا جب کہا کہ: اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ ...... ($\frac{6}{160}$) "جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کر دیں،
اس طرح فرقوں میں بٹ جائیں تو، اے رسول! تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں رہے گا"۔ دین میں تفرقہ
ف مذہبی اختلافات کی بنا پر پیدا نہیں ہوتا۔ اُمتِ واحدہ کا کسی وجہ سے مختلف ٹکڑوں میں بٹ جانا، دین

میں تفرقہ ہے۔ وطنی، جغرافیائی یا نسلی بنیادوں پر مسلمانوں کا الگ الگ قوموں میں تقسیم ہو جانا۔ ذاتوں اور برادریوں کی بنا پر ان کا مختلف حصوں میں بٹ جانا۔ مذہبی فرقوں کی رو سے ان کا الگ الگ تشخص قائم کر لینا۔ سیاسی مقاصد کے لئے الگ الگ پارٹیاں بنا لینا، حتیٰ کہ مغربی انداز جمہوریت کی رُو سے، ایک ہی ایوان میں حزبِ اقتدار اور حزبِ مخالف کے گروہوں میں تقسیم ہو جانا، یہ سب دین میں تفرقہ کے مرادف ہیں۔ ایک ضابطہ، قوانین (خداوندی) کے مطیع اور ایک رسول کی طرف نسبت سے اُمت بننے والے افراد میں تفرقہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اسی لئے قائداعظمؒ نے کہا تھا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ہزار بُعد و مسافت ہو، جب ہم ایک ضابطۂ قوانین کے تابع اور ایک رسول کی اُمت کے افراد ہیں تو ہم میں اختلافات پیدا ہو ہی نہیں سکیں گے۔[1] انہوں نے ۱۷ر اپریل ۱۹۴۸ء کو گورنمنٹ ہاؤس، پشاور، میں ایک قبائلی جرگہ سے گفتگو کے دوران فرمایا تھا کہ:-

ہم مسلمان، ایک خدا۔ ایک کتاب (قرآنِ مجید) اور ایک رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے صف بستہ کھڑے ہونا ہوگا۔ (تقاریر گورنر جنرل۔ صـ۱۲۶)

انہوں نے ۱۴ر فروری ۱۹۴۸ء کو سبی دربار میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

میرے پیشِ نظر ہمیشہ اسلامی ڈیماکریسی کا اصول رہا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا راز اِن سنہرے اصولوں کے اتباع میں ہے جنہیں ہمارے مقننِ اعظم، حضورؐ نبی اکرم نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی ڈیماکریسی کی بنیاد حقیقی اسلامی نظریات اور اصولوں پر رکھنی چاہیئے۔ (تقاریر گورنر جنرل۔ صفحہ ۵۶)

تقسیم ہند کے عواقب میں، جب انگریز۔ ہندو اور سکھوں کی سازش نے ہمارے خلاف قیامت برپا کر دی تھی تو قوم شکستہ خاطر سی ہو رہی تھی۔ عین اس حالت میں آپ نے، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو یونیورسٹی سٹیڈیم، لاہور، میں تقریر کرتے ہوئے قوم کا حوصلہ بندھایا اور کہا کہ یاد رکھو:-

ایسے نامساعد حالات میں بھی اگر ہم نے قرآن مجید سے بصیرت اور راہ نمائی حاصل کی تو میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آخرالامر فتح ہماری ہی ہوگی۔ (تقاریر گورنر جنرل۔ صـ۳۰)

ایسا محکم تھا قائداعظمؒ کا ایمان قرآنِ مجید پر، جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے، ہمارے ہاں سال بھر کے جشن کی تقریبات میں کسی نے، قائداعظمؒ کی زندگی اور منہاجِ سیاست کے سلسلہ میں قرآن کا نام تک نہیں لیا۔ حالانکہ، جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں، یہ سب کچھ ان کی تقاریر اور بیانات میں موجود تھا۔ لیکن مقامِ حیرت و مسرت

---

[1] اگر ہم مملکتِ پاکستان کی بنیاد قرآنِ مجید پر رکھتے اور اس کی تعلیم کو عام کرتے جاتے تو ہو نہیں سکتا تھا کہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جاتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے رشتہ سے امّتِ واحدہ ہونے کے اصول و نظریہ کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا اور وطن اور نسل کی تفریق کے تصور کو عام ہونے دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ تشتّت و افتراق تھا۔

یہ بات ایک غیر مسلم دانشور کی سمجھ میں آ گئی۔ ابھی حال ہی میں، جرمنی میں، پاکستان ایسوسی ایشن کے اہتمام قائدِاعظمؒ کے جشن صد سالہ کی ایک تقریب منائی گئی۔ اس میں ایک جرمن سکالر، پروفیسر ڈاکٹر KRAHNEN نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ :-

قائدِاعظم محمد علی جناحؒ کے سامنے ماڈل، قرآن مجید تھا۔ (پاکستان ٹائمز - ۳ر فروری ۱۹۷۷ء)

☆

یہ تھا عزیزانِ من! قائدِاعظمؒ کے پیشِ نظر اس مملکت کا تصوّر جس کے حصول کے لئے وہ دس سال مصروفِ جہاد رہے، اور جس پر انہوں نے اپنا آخری قطرۂ خون تک نچھاور کر دیا۔ میں اپنی ذاتی معلومات پر کہہ سکتا ہوں کہ تشکیلِ پاکستان کے وقت، ان کے ذہن میں پورا تصوّر اور نقشہ موجود تھا کہ یہ صحیح معنوں میں اسلامی کس طرح بن سکے گی۔ قطعِ نظر میری ان ذاتی معلومات کے آپ سوچئے کہ جو دس سال تک مسلسل اور متواتر وہ کچھ کہتا رہا ہو جس کا مختصر سا تذکرہ میں نے اس نشست میں کیا اگر اسلامی مملکت کا صحیح تصور اس کے ذہن میں نہیں ہوگا تو اور کس کے ذہن میں ہوگا؟ وہ اس تصوّر اپنے ساتھ لے کر یہاں آئے تھے۔ انہوں نے یہ تمام جد و جہد کی ہی اسی مقصد کے لئے تھی۔ کیا آپ کو کے وہ الفاظ یاد نہیں جو انہوں نے ۱۰ر مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ سے خطاب کرتے ت کہے تھے کہ :-

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس مُلک سے اسلام کا نام و نشان نہ مٹ جائے تو اس کے لئے پاکستان نہ صرف یہ کہ ایک عملی نصبُ العین ہے، بلکہ یہی اور صرف یہی واحد نصب العین ہے۔

(تقاریر - جلد اول - صفحہ ۲۶۷)

اس کے ساتھ ہی وہ الفاظ جو انہوں نے ۲۳ر مارچ ۱۹۴۵ء کو پاکستان ڈے کی تقریب پر پیغام سے ہوئے ارشاد فرمائے تھے کہ :-

ہماری حفاظت، ہماری نجات اور عزّت و آبرو (کے تحفظ کا واحد ذریعہ) پاکستان ہے۔ اگر ہم اس جد و جہد میں ناکام رہ گئے تو ہم تو تباہ ہو ہی جائیں گے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس برصغیر میں نہ مسلمانوں کا وجود باقی رہے گا، نہ اسلام کا نام و نشان۔

(تقاریر - جلد دوم - صفحہ ۲۵۵)

تھا وہ مقصد جس کے لئے قائدِاعظمؒ نے اس مملکت کو حاصل کیا تھا اور جسے اپنے قلب و دماغ کی گہرائیوں لئے، وہ پاکستان آئے تھے۔ لیکن اس کے بعد جس قسم کی بدنصیبی اور سوختہ بختی ہمارے حصّے میں میرے خیال میں اس کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں نہیں ملے گی۔ ایک تو پریشانیوں اور مشکلات کا وہ جو سیلاب کی طرح ہمارے پیچھے پیچھے اُمنڈ کر ادھر آ گیا۔ دوسرے موت کا وہ عفریت جسے قائدِاعظمؒ تعاقب کس قوتِ ارادی سے اتنے عرصہ تک اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیا تھا۔ ان آفات و مصائب کی سے انہیں ایک ثانیہ کے لئے بھی سکون میسّر نہ آ سکا۔ اگر انہیں تھوڑا سا بھی اطمینان کا وقت مل جاتا تو

اسلامی مملکت کا جو تصور ان کے ذہن میں تھا وہ اسے قوم کے سامنے پیش کر دیتے۔ لیکن وائے بر حالِ ما کہ ایسا نہ ہو سکا اور نہ صرف یہ کہ یہاں اسلامی مملکت قائم نہ ہو سکی بلکہ "شاہیں کا نشیمن زاغوں کے تصرّف" میں آگیا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ قائدِ اعظمؒ اپنی تمام جد و جہد کے دوران، قرآن۔ قرآن پکارتے رہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ قرآن کے مخالفین، ایک دوسرے سے کہتے اور اپنے متبعین کو تاکید کرتے تھے کہ، لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ــــ تم قرآن کو خود بھی نہ سنا کرو اور شور مچاتے رہا کرو ــــ تاکہ دوسرے بھی اسے نہ سن سکیں۔ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (۴۱/۲۶) بس یہی ایک طریقہ ہے جس سے تم قرآن کی طرف دعوت دینے والوں پر غالب آ سکتے ہو۔ تحریکِ پاکستان کے دوران قرآن کی آواز کو دبانے کے لئے یہی طریقِ کار مخالفینِ قرآن نے اختیار کر رکھا تھا۔ وہ شور مچاتے تھے کہ دیکھنا! ان لوگوں کے قریب نہ جانا۔ یہ تمہیں لے ڈوبیں گے۔ یاد رکھو۔

جو لوگ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں، اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے اور اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہو جائے گی، تو ان کا یہ گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔

یہ تمہارے لیڈر۔ یہ ان کا قائدِ اعظمؒ۔ یہ تمہیں اسلامی مملکت بنا کر دینے کا چکمہ دیتے ہیں۔ یاد رکھو۔ ان کے خیالات۔ نظریات۔ طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی..... قائدِ اعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے پرکھتا ہو۔

وُہ قرآن کی آواز پر لبیک کہنے والوں کے متعلق کہتے کہ:۔

اگر انہوں نے دین سے بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں، ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھا بھی..... تو ان کے اس طرح زندہ رہنے میں اور کسی غیر مسلم قومیت کے اندر فنا ہو جانے میں آخر فرق ہی کیا ہے۔

وُہ قرآن کی طرف دعوت دینے والوں سے کہتے کہ اگر یہی آپ کا مسلک اور مقصد ہے تو:۔

آپ اپنی قوم کا جو نام چاہیں تجویز فرما لیں، اسلام کا نام تجویز کرنے کا آپ کو حق حاصل نہیں۔

پھر وہ کہتے:۔

جو کچھ یہ لوگ کرنا چاہتے ہیں شوق سے کریں۔ ہم ان کا راستہ روکنے نہیں آتے۔ ہمارا مطالبہ اُن سے صرف یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمان کے نام کو غلط طریق پر استعمال کرنا چھوڑ دیں۔

کو معلوم ہے کہ قرآنی مملکت کے قیام کے خلاف یہ شور مچانے والے کون تھے؟ یہ تھے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔

ان حضرات کی طرف سے یہ کہہ کر فریب دیا جاتا ہے کہ مودودی صاحب نے یہ کچھ اس زمانے میں کہا تھا جب مسلم لیگ کی طرف سے اس امر کا اظہار اور اعلان نہیں کیا گیا تھا کہ پاکستان کا نظام اسلامی ہوگا۔ چنانچہ مودودی صاحب نے خود یہ لکھا تھا کہ:۔

مسلم لیگ کے کسی ریزولیشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمعِ نظر پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے۔ (سیاسی کش مکش۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۳۲-۱۳۱)

دیکھئے کہ اس جھوٹ اور فریب کی قلعی کس طرح کھلتی ہے ـــــ اور کھلتی بھی ہے کس کی زبان سے؟ خود مودودی صاحب کی زبان سے۔ انہوں نے اپنے تفصیلی بیان میں جو نوائے وقت بابت ۱۴ اگست ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا، لکھا کہ:۔

اس تحریک کے آغاز ہی سے عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی تمناؤں کا مرکز، پاکستان ایک اسلامی ملک ہوگا جس میں اسلام کا قانون جاری ہوگا اور اسلامی تہذیب زندہ کی جائے گی۔ اس لئے ان کا نعرہ یہ تھا کہ ـــــ پاکستان کا مطلب کیا ـــــ لا الٰہ الا اللہ۔ مسلم لیگ کے لیڈر بھی اپنی تقریروں میں یہی خیال ظاہر کر رہے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر خود قائداعظمؒ مرحوم و مغفور نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہوگا۔

قائداعظمؒ کی اس یقین دہانی کی توثیق ان علماء کی زبان سے بھی ہوتی تھی جو خوش قسمتی سے تحریکِ پاکستان کے ہم نوا تھے۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی (مرحوم و مغفور) نے، صوبہ پنجاب کی جمعیت علمائے اسلام کانفرنس (لاہور) منعقدہ ۲۵۔ بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا کہ:۔

اب آپ نے سمجھ لیا کہ پاکستان کیا ہے۔ اگر یہ پاکستان بن گیا تو وہاں نظامِ حکومت کس قسم کا ہوگا، اس کے متعلق ہم سردست بدوں تفصیلات میں جائے انہی اعلانات پر اکتفا کرتے ہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد مسٹر محمد علی جناحؒ، اس کے جنرل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خان اور اس کی مجلسِ عمل کے صدر نواب محمد اسمٰعیل خان صاحب وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں کہ سرزمین پاکستان میں قرآنِ کریم کے سیاسی اصولوں کی بنیادوں پر اسلام کی حکومتِ عادلہ قائم ہوگی۔ (تجلیاتِ عثمانی از پروفیسر محمد انوار الحسن)

مودودی صاحب اس قدر واضح اعلانات، اور اب خود اپنے اعتراف کے باوجود کہ انہیں شروع سے معلوم تھا کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہوگا، یہ کہہ کر اس تحریک کی شدت سے مخالفت کرتے تھے کہ:۔

(پاکستان میں) مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت۔
(سیاسی کش مکش۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۲-۱۳۱)

بالفاظِ دیگر، مودودی صاحب کے نزدیک جس مملکت کا دستور قرآنی ہو اس میں حکومت کافرانہ ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت! (استغفراللہ) اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ان صاحب کو قرآنی دستور مملکت سے کس قدر بغض اور عناد ہے۔ اور وہ اس کی مخالفت میں کس طرح ایڑھی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے اس مخالفت کو کب تک جاری رکھا؟ قیامِ پاکستان کا اعلان تو ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو ہوا تھا لیکن اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی سے اس کا عام چرچا ہو رہا تھا۔ وسط اپریل ۱۹۴۷ء میں ٹانک میں جماعتِ اسلامی کا ایک اجلاس ہوا جس میں اس جماعت کے وابستگان میں سے ایک صاحب نے مودودی صاحب سے کہا کہ ہمیں مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہیئے۔ اس کے جواب میں انہوں نے ان صاحب سے کہا کہ:-

جب ایک تحریک کو آپ خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے۔

یعنی جس تحریک کے متعلق اب یہ خود کہہ رہے ہیں کہ اس کے قائد نے شروع ہی سے کہہ دیا تھا کہ اس کا دستور قرآنی ہوگا، اس تحریک کو یہ اپریل ۱۹۴۷ء میں بھی "غیر اسلامی" قرار دے کر، اس کی مخالفت کو اپنا فریضہ قرار دیتے تھے۔ اگر یہ قرآن سے کھلا ہوا بغض و عناد نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن سے اسی قسم کا عناد ایک اور گروہ کو بھی تھا اور اس کا نام تھا ہندو سنگھٹن۔ اس گروہ کے ایک سربرآوردہ لیڈر، مسٹر منشی نے، ۱۹۴۱ء میں اکھنڈ بھارت کانفرنس کے اجلاس کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا:-

تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان کیا ہے؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مسکن بنا لیں جہاں زندگی اور طرزِ حکومت قرآنی اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھل سکیں اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے۔ مختلف الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطۂ ارض ہوگا جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔
(ٹریبون۔ ۲ر نومبر ۱۹۴۱ء)

یعنی قائدِاعظمؒ پاکستان میں قرآنی نظامِ مملکت قائم کرنا چاہتے تھے اور ہندو قوم اور مودودی صاحب کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوتی تھی۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔ (۶۱/۸) یہ لوگ تہیہ کر چکے تھے کہ قرآن کی شمعِ نورانی کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ لیکن خدا نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ اس نور کو

...ش کرکے رہے گا خواہ اس کے مخالفین پر یہ امر کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔

ہندو تو ہندوستان میں رہ گئے لیکن مودودی صاحب پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں بھی ...ہوں نے اپنی اس مخالفت کو برابر جاری رکھا۔ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قائداعظمؒ، تشکیل پاکستان کے بعد جتنے دن زندہ رہے انہوں نے کس طرح اس حقیقت کو ہر موقعہ اور ہر تقریب پر دہرایا کہ یہاں قرآنی آئین اور اسلامی نظام قائم کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد بہ حیثیتِ گورنر جنرل، کارپردازانِ حکومت سے اپنے اوّلین خطاب (اکتوبر ۱۹۴۷ء) میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں دہرایا کہ:۔

> پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے، اب خدا کے فضل سے ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آ چکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور جس میں ہم اپنی روشنی، اور ثقافت کے مطابق نشوونما پا سکیں اور اسلام کے عدلِ عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر رُو بہ عمل لائے جا سکیں۔ (تقاریر بہ حیثیتِ گورنر جنرل۔ ص ۲۲)

...ہ یہ کہہ رہے تھے اور مودودی صاحب لوگوں کو پاکستان کی فوج میں بھرتی ہونے سے یہ کہہ کر روک رہے تھے کہ:۔

> حکومتِ پاکستان غیر اسلامی ہے۔
> (نوائے وقت۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۸ء)

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو پاکستان پر حملہ کرنے کی سوچ رہا تھا۔

اور وہ اب تک مسلسل اس کی مخالفت میں سرگرمِ عمل ہیں، اور اس میں ان کے ساتھ وہ تمام عناصر شامل ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ ان کے باہمی اتحاد میں یہی ایک قدرِ مشترک ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان کی ان مذموم مساعی کے باوجود یہ خطۂ زمین محفوظ رہے گا اس لئے کہ ہرچند یہ صحیح ہے کہ ــــــــ نقشِ کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

اور اس نقش میں تو اس مردِ خدا (علیہ الرحمۃ) کے خونِ جگر کی سرخیاں بھی جھلک رہی ہیں۔ اُس مردِ خدا کی عظمت کا اندازہ آپ اقبالؒ کی نگاہ سے لگایئے۔ ۱۹۳۸ء میں جب وہ بسترِ علالت پر تھے ایک دوست نے اُن کی درازئ عمر کی دعا کی۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ "میرا وقت اب پورا ہو چکا ہے اور میرا پیغام بھی ملّت تک پہنچ چکا ہے۔ میرے لئے دعائے صحت مانگنے کے بجائے، آپ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی درازئ عمر کی دعا مانگیئے کہ اُنہوں نے ابھی اپنا مشن پورا کرنا ہے۔" والسلام

آصف جاوید

وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ

اللہ کی رزاقیت کا تصور انسان کی سعی و عمل سے وابستہ ہے جس کی نشان دہی قرآن نے کی ہے اور انسان کو یہ ہدایت دی ہے کہ اسے وہی کچھ مل سکتا ہے جس کے لئے وہ کوشش (سعی) کرے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔ ۵۳/۳۹ ۔ قرآن کا عطا کردہ ابدی اصول ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دُنیا سعی و عمل کی دنیا ہے اور اس دنیا میں سعی و عمل بے نتیجہ نہیں رہتے۔ کچھ حاصل کرنے کیلئے سعی کرنا لازمی ہے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے سے خدا کی طرف سے رزق ملنے کا تصور قرآن کی تعلیم کے بالکل منافی ہے۔ اور اس سلسلے میں ہمارے ہاں جو حکایات بیان ہوتی رہتی ہیں، ان کا حقیقت اور صداقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے وضعی مفروضات اور باطل عقائد ان منافقین کے پھیلائے ہوئے ہیں جو بظاہر مسلمان بن کر مسلمانوں میں شامل ہوئے اور ایسے خود ساختہ فلسفۂ زندگی کے ذریعے مسلمانوں کو اس حقیقی اسلام سے بیگانہ کر دیا جو قرآن پیش کرتا ہے۔ مسلمانوں کے من حیث القوم زوال کا یہی بڑا سبب ہے کہ خالصتاً قرآنی تصورات کو چھوڑ کر خود ساختہ تصورات اور عقائد اختیار کر لئے گئے۔ قرآن کہتا ہے کہ وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۶۲/۱۱ ۔ یعنی اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اب یہ سمجھنے کی بجائے کہ اس رزق کو حاصل کرنے کی صورت کیا ہے۔ اور انسان کی اس میں کیا ذمہ داری ہے۔ کہا یہ گیا کہ اللہ تو کیڑے کو پتھر میں بھی رزق دیتا ہے۔ یعنی اس صورت میں کہ وہ رزق حاصل کرنے کی خود کوئی کوشش نہیں کرتا۔ تو ہمیں بھی اللہ پر توکّل کرنا چاہیئے، اور خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے معاشرے میں توکّل کے اس غلط مفہوم کی بہت سی کہانیاں ملتی ہیں۔ توکّل کی اس تعبیر سے خدا کے متعلق بھی جو تصوّر قائم ہوتا ہے، وہ قرآن کے دیئے ہوئے تصوّر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اور اسی سے دین کی ساری عمارت ڈھے جاتی ہے۔

قرآن کا خدا قرآن ہی پر توکّل کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ قرآن ۔ جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک کتاب ہے، جس پر عمل کرنے سے دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتاب وہ صراطِ مستقیم دکھاتی ہے جس پر چلنے سے معاشرہ میں کسی قسم کا خوف و حزن باقی نہیں رہتا۔ اس میں رب العلمین کا قانون، صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گیا ہے اور اس قانون میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ ۶/۱۱۴ ۔ یہ قانون کسی کے لئے نہیں بدلتا ۱۰۳/۶۱ ۔ قرآنِ کریم

میں اللہ کو خیر الرّازقین کہا گیا ہے ۶۲/۱۱۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندے جو سامانِ زیست اس کے متعین کردہ قوانین کے مطابق حاصل کرتے ہیں۔ وہ سامان وہ رزق بڑا ہی خوشگوار اور منفعت بخش ہوتا ہے اور سامانِ زیست حاصل کرنے کا قانون، سعی و عمل کرنا ہے۔ اسی کو اللہ پر توکّل کرنا کہتے ہیں۔ قرآن نے اس قانونِ ہدایت کو شہد کی مکھی کی مثال سے واضح کیا ہے ۱۶/۶۸-۶۹۔ وہ وحیٔ خداوندی کے مطابق (یہ راہنمائی اس کے اندر رکھ دی گئی ہے) پھلوں، پھولوں سے رس اکٹھا کرکے پہاڑوں، درختوں اور ٹہنیوں پر چھتّے بناتی ہے

اور اس طریق سے انسانوں کیلئے وہ خالص شہد مہیا کرتی ہے جو اس کے لئے بہترین غذا بھی ہے اور اس میں ان کے امراض کی شفا بھی ہے۔ شہد کی مکھی کے اس نظام میں ان لوگوں کے لئے حقیقت تک پہنچنے کی نشانیاں ہیں جو فکر و تدبّر سے کام لیتے ہیں۔ اس نظامِ ربوبیّت میں ہر ایک مکھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق سرگرمِ عمل رہتی ہے اور اپنی محنت کے ماحصل کو اپنے مشترکہ 'بیت المال' میں جمع کر دیتی ہے اور وہاں سے ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق سامانِ نشو و نما ملتا رہتا ہے۔ اس مشترکہ سعی کا صلہ میرا تیرا نہیں ہوتا۔ سب کا ہوتا ہے۔ سب کے لئے ہوتا ہے۔ ہدایت اس سے یہ ملتی ہے کہ اگر یہی نظام انسانی دنیا میں بھی رائج ہو جائے اور انسان اپنے ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں اور جسمانی توانائیوں کو سعیٔ مسلسل سے مربوط رکھے تو اس کا نتیجہ یقیناً حسنات ہوگا۔ جس کا آغاز اسی دنیوی زندگی سے ہو جائے گا اور انسانیّت کو ان بے شمار امراض (برائیوں اور ناہمواریوں) سے شفا مل جائے گی، جو اسے گھُن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ کی رزّاقیّت کا صحیح تصوّر۔ یہی اس کا عظیم نظامِ ربوبیّت ہے۔ برعکس اس کے عہدِ ملوکیّت کا اسلام سرمایہ داری کا نظام پیش کرتا ہے، جس میں مال و دولت جمع کرکے اپنی ملکیّت میں رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ بس مذہبی پیشوائیت کا حق ادا کر دیا جائے۔ قرآن یوں دولت جمع کرنے والوں کو، جو ننانوے کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں تباہی اور بربادی کی وعید دیتا ہے۔ ۱۰۴/۱۸

قرآن بتاتا ہے کہ یہ انعام دیئے ہوئے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لوگوں کا راستہ نہیں کہ دولت جمع کرکے گنتے رہو اور ذاتی مفاد کے سوا کچھ نہ دیکھو۔ یہ صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کی دلیل ہے اور تباہی لازمی ہے، ہر اس نظامِ زندگی کے لئے جس میں یہ ذہنیت پیدا کی جا رہی ہو، یا ہو چکی ہو۔ ہمارے معاشرے میں اس کی مثالیں عام ملتی ہیں۔ اسلام نے مومنوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا ہے، تو یہ اس کا عملی ثبوت بھی چاہتا ہے۔ بھائی بھائی کو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامنا ہوتا ہے، مشکل وقت میں کام آنا ہوتا ہے۔ اسی طرزِ عمل سے معاشرے میں مساوات اور عدل و انصاف قائم ہوتا ہے۔ اسلام میں ابتدائی معاشرتی، معاشی تدبیروں کے بعد فائنل پروگرام یہ ہے کہ اپنی ضروریات سے زائد سب کا سب مال ربوبیّتِ عامہ کے لئے کھلا رکھا جائے۔ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۲/۲۱۹۔ "تجھ سے پوچھتے ہیں (اپنی کمائی میں سے) کس حد تک تو نوعِ انسان کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھیں۔ ان سے کہہ دو جس قدر

تمہاری ضروریات سے زائد ہوگا وہ سب کا سب" یہ ہے وہ نظامِ ربوبیّت جس میں اللہ کے رزق کی تقسیم ہر فردِ معاشرہ کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ جس میں کوئی سرمایہ دار ہوتا ہے نہ جاگیردار، کوئی امیر ہوتا ہے نہ فقیر۔ جس میں کوئی بھی اپنے ہاں ڈھیر لگا کر محروم رہ جانے والوں کو مقدر اور تقدیر کا لکھا ہوا رزق کہہ کر دھوکا نہیں دے سکتا۔ اس قرآنی معاشرہ کے تمام افراد سب کے سب ایک دوسرے کے لئے جیتے ہیں اور خوف و حزن سے دُور رہتے ہیں۔ اللہ کی رزّاقیت میں انسان کے صرف جسم کی پرورش ہی نہیں ہوتی، ذہن کی نشوونما بھی اسی رزق میں شامل ہے اور ذہنی تخلیق کی قوت سے ہی انسانیت نشوونما پاتی ہے۔ انسان کی اصل شناخت اس کی ذہنی تخلیق ہی ہے۔ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے تقلید پرستی کے آہنی حصار میں مقید ہو کر اپنے ذہن کی تخلیقی توانائیوں کو سلب کر رکھا ہے۔ آج کی دنیا کی تمام بڑی بڑی ایجادات، جن پر دنیا کا تمام کاروبار چل رہا ہے، انسانی عقل اور ذہنی تخلیق کا ہی کرشمہ ہیں۔ مگر ہم نے اپنے ذہن اپنی عقل و فکر سے کتنا کام لیا؟ پھر ہمیں کیا ملا بجز آپس میں گتھم گتھا رہنے کے۔ ہم نے حیوانی تخلیق تو بڑھائی لیکن انسانی ذہن کی تخلیقی قوّت سے عاری رہے۔ اللہ، خیر الرازقین فرماتا ہے "کیا یہ لوگ آسمان و زمین وغیرہ کی تخلیق پر غور نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے ان کی موت قریب آگئی ہے (اعراف ۱۸۵)

تخلیقی عمل سے دوسری قومیں کہاں سے کہاں پہنچ گئیں۔ قرآن میں پڑھا ہم نے تھا "کائنات کی پستی اور بلندیوں میں جو کچھ بھی ہے تمہارے زیرِ تسخیر ہے" ۴۵/۱۳ اور ہم صرف تلاوت کرتے رہے۔ ایک قدم بھی تسخیر کی طرف نہ بڑھا پائے۔ تقلید ہی کو اپنائے رکھا۔ یہ نہ جان پائے کہ تقلید تخلیق نہیں ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

تقلید سے آلودہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ!

اگر ہم اس گوہرِ یگانہ (خودی) کی (جس سے تخلیق کے سوتے پھوٹتے ہیں) حفاظت کرنا سیکھ لیں تو ہم بھی شہد کی مکھی کا سا نظامِ ربوبیت قائم کر کے اللہ کی رزاقیت کو معاشرے میں عام کرنے کی اپنی اہم ترین ذمہ داری سے غافل نہیں ہو سکتے۔

نوجوانوں کے لئے فکر و نظر کی ——— نئی راہیں

سلیم کے نام

از پرویزؒ

محمد قاسم خان۔ میانوالی

ایک کتاب جس نے میری زندگی بدل ڈالی

یوں تو ملّتِ اسلامیہ میں شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جو کسی نہ کسی فرقے سے وابستہ نہ ہو لیکن ہمارے گھر میں اس کا اہتمام کچھ ضرورت سے زیادہ ہی تھا۔ میری پیدائش ایک مرفہ الحال مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ میرے والد نہ صرف یہ کہ علمائے دیوبند کے پرستار تھے بلکہ ان کی آمدنی کا بڑا حصّہ دیوبندی مساجد اور مدارس کی امداد کے لئے مختص تھا، اور یوں میں بھی کہنے کو تو دیوبندی مسلمان ہی تھا لیکن معلوم نہیں یہ اتفاق تھا یا خدائے قدوس کی رحمت کی جلوہ سامانی کہ تاریخِ اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ سوال بُری طرح کھٹکنے لگا کہ مسلمان ایک عرصہ سے ذلّت کی پستیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ جبکہ خدائے قدوس کا وعدہ ہے کہ

لاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

گھبراؤ نہیں اور رنجیدہ نہ ہو اور تم ہی غالب ہو، اگر تم مومن ہو!

یہ وہی سوال ہے جسے غالبؔ نے آج سے بہت پہلے اپنی معجز بیانی سے ان لافانی الفاظ میں سمیٹ دیا تھا ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اس سلگتے ہوئے سوال نے مجھے مدّتوں محوِ اضطراب رکھا۔ میں نے علمائے دیوبند کا لٹریچر کھنگال ڈالا۔ علّامہ شکیب ارسلان کی ترجمہ شدہ کتاب بھی پڑھی، جس کے بڑے ڈھنڈورے پیٹے جاتے تھے۔ گھر میں اگرچہ اس کی اجازت نہ تھی، لیکن چھپ چھپ کر میں نے مودودی صاحب کی کتابیں بھی پڑھ ڈالیں۔ الفاظ مختلف لیکن جواب ایک ہی تھا کہ مسلمانوں کی پستی کا باعث نماز، روزہ سے بیگانگی ہے یا مذہب سے دُوری۔ نمازیوں سے بھری ہوئی مساجد پر نگاہ ڈالتا تو مدینہ کے مٹھی بھر مسلمان چشمِ تصوّر میں اُبھر آتے، جنہوں نے روزے رکھ کر اپنے سے کئی گنا بڑی طاقت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ مگر اپنے ان کروڑوں حاجیوں، نمازیوں اور مبلغوں کو دیکھتا تو میرا سوال اور بھی وزن دار محسوس ہوتا۔

میں نے اقبال سے پوچھا اس نے کہا ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

مگر پلّے کچھ بھی نہ پڑا، ماحول کے بخشے ہوئے تصورِ اسلام کے مطابق قرآن سے مراد اسلام تھا اور اسلام سے مراد تھا کسی فرقہ سے وابستہ ہو کر پائنچے چڑھانے اور نمازیں پڑھ پڑھ کر جبینیں گھسا لینا اور وہی یہاں ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے اسلامیات کے پروفیسروں کو بھی اپنے اس سوال سے پریشان کیا۔ مگر حاصل یہاں سے بھی کچھ نہ ہوا۔

اور پھر ذہن بڑا ہی ہولناک فیصلہ کرنے پر تُل گیا۔ وہ یہ کہ یا تو ہم مسلمان نہیں، یا خدا کا وعدہ (معاذ اللہ) سچا نہیں؟ اس کربناک مرحلہ میں ایک دوست (اور حقیقی معنوں میں دوست وہی ہوتا ہے جو ایسی اذیت ناک حالت میں تعاون کرے) کی مدد سے ایک کتاب پڑھنے کا موقع ملا، کتاب کا نام تھا، "اسبابِ زوالِ اُمّت" یہ موضوع میرا اپنا موضوع تھا، اس پر میرے شب و روز وقفِ پیچ و تاب رہے تھے۔ مگر جب مصنّف کا نام "پرویز" دیکھا، تو میں بھڑک اٹھا کیونکہ اس شخص کے کافر ہونے پر تو بریلوی، دیوبندی، اہلِ حدیث، جماعتِ اسلامی، غرضیکہ تمام فرقے متفق تھے۔ میرے گھر میں اس نام کا گزر مشکل تھا۔ آخر اندر کے آدمی نے مجھے آمادۂ تجسس ہونے پر مجبور کر دیا اور میں نے انتہائی خفیہ طور پر جیسے کوئی شخص پوری پلاننگ کر کے کسی کو قتل کر رہا ہو، اس کتاب کا مطالعہ کیا، اور شک و ریب کے تمام کانٹے ذہن سے نکل گئے۔ اس شخص نے بے خوف لومۃ لائم، انتہائی سچائی سے سب کچھ کہہ دیا، مجھے ہر سوال کا جواب مل گیا، مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں۔ میرا جاتا ہوا ایمان لَوٹ آیا، مجھے معلوم ہوا کہ دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟ میں جان گیا کہ قرآن کا دینِ اسلام جس کی تکمیل پر خدائے قدوس نے فرمایا تھا کہ آج انسانوں پر خدا نے اپنی نعمتوں کا اتمام کر دیا۔ ہاں، وہ دین اور ہے اور مُلّا کا مذہب اسلام اور ہے۔ قرآن کا دین کہتا ہے

"اے پیروانِ دعوتِ ایمانی تم مومن ہونے کے بعد شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ تم ان میں سے نہ ہو جانا جنھوں نے تفرقہ پیدا کیا اور اپنے اپنے فرقہ پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔" (۳۰/۳۲-۳۱)

"جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہوں میں بٹ گئے۔ اے رسولؐ! تیرا اُن سے کوئی واسطہ نہیں۔" (۶/۶۰)

قرآن کا دین تو فرقہ بندی کو عذابِ خداوندی کہتا ہے۔

"کہہ دو خدا اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں فرقوں میں بانٹ کر آپس میں برسرِ پیکار کر دے اور اس طرح تم ایک دوسرے کی مخالفت کا مزہ چکھ لو۔" (۶/۶۵)

قرآن کا دین تو یہ کہتا ہے

"تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں اختلاف وافتراق پیدا نہ کرو۔ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی اور اس طرح تم اس کے فضل سے باہم بھائی بھائی ہو گئے۔" (۳/۱۰۳)

مگر موجودہ 'اسلام' اختلاف وافتراق جیسے عذابِ خداوندی کو رحمتِ ربّانی سے تعبیر کرتا ہے، اور پھر یہیں پر بس نہیں، اپنی اس بات کو اُس رسولِ اقدس واعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کردیتا ہے جس کی ذات سراپا قرآن تھی، اور کہتا ہے کہ (معاذاللہ) اسی پیغمبرِ انسانیت نے یہ فرمایا تھا۔ "اختلافِ امّتی رحمتہ"

کتاب میں پڑھتا گیا اور ذہن کی گرہیں ایک ایک کرکے کھلتی گئیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مصنف میرے پاس بیٹھا ہے، میں سوال پوچھتا جاتا ہوں اور وہ جواب دیتا چلا جاتا ہے، اور جواب بھی استدلال سے بھرپور۔

کبھی میں نے چیخوف کا یہ جملہ پڑھا تھا۔

"کامیاب کتاب وہ ہے جس کے ایک ایک لفظ میں مصنف کی موجودگی کا احساس ہو اور تمہیں اپنے جملوں کے ذریعے سے اپنے ساتھ ہمکلامی کے شرف سے باریاب کرتا جائے"

(BOOKS THE GREAT - P.191)

یہ مختصر سی کتاب فی الواقعہ دنیا کی عظیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے جو میری زندگی کو ایک نئے موڑ سے آشنا کرگئی وہ موڑ جس کے بعد مجھ پر رشد و ہدائت کی راہیں روشن ہوتی چلی گئیں۔ مجھے پرویزؒ کی صورت میں ایک راہنما و راہبر مل گیا۔

اُس کے بعد سے میں آج تک علامہ پرویزؒ ہی کی راہبری میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ آج بھی زندہ ہیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے شاہراہِ حیات پر آگے بڑھا رہے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اختر وسیم ڈار
کراچی

فکری تکون

سرسید احمد خانؒ، اقبالؒ، پرویزؒ

سرسید احمد خانؒ، اقبالؒ، اور پرویزؒ تین شخصیتوں کا نام ہی نہیں بلکہ ایک تسلسلِ فکر کا نام بھی ہے۔ ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے تین جگمگاتے ہوئے موتی یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ ایک فکری تکون ہے۔

اسلامی افکار پر جو صدیوں کی گرد جمی ہوئی تھی اس فکری تکون ہی نے اُسے اپنی بصیرتِ فکر سے فرو کیا۔ لیکن جب ان کی جگر پاشیوں کے عوض حقیقی تصویر جگمگاتی روزِ روشن کی طرح سامنے آئی تو نظریں اس کی چکا چوند سے خیرہ ہوگئیں کیوں کہ وہ سراب دیکھنے کی عادی تھیں اور حقائق کو دیکھنے کی بصیرت و بصارت سے وہ محروم ہو چکی تھیں۔ اسی لئے اِن تینوں عظیم مفکّرین کو کفر و ارتداد کے فتوؤں کا نشانہ بنایا گیا ان لوگوں کی طرف سے جو فکر و گماں کے بُت کدوں میں سربسجود تھے۔

دنیائے اسلام کی تاریخ میں ۱۷۹۹ء بڑی اہمیت کا حامل ہے یہ وہ سال ہے۔ جب سرنگاپٹم کے مقام پر سلطان ٹیپو کی شہادت اور مسلمانوں کی سیاسی اور فوجی شکست انگریزوں کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ ایشیاء میں اسلام کا انحطاط انتہا کو پہنچ چکا تھا اور مسلمان مکمل طور پر شکستہ ہو چکے تھے لیکن یہی انحطاط اُن کیلئے نئی زندگی کا درس بن گیا۔ کیونکہ اس سیاسی شکست کے بعد جدید اسلامی مسائل معرضِ وجود میں آئے۔

اگرچہ بظاہر مسلمانوں کی شکست و ریخت مکمل ہو چکی تھی اور ان کا سیاسی زوال اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا مگر اس کی اندرونی طاقت نے دم نہیں توڑا تھا۔ اس زوال پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھی نورِ ہدائت اُن کی نظروں سے مکمل طور پر گم نہیں ہوا تھا۔ اس دورِ انحطاط و پستی میں ـــــ سرسید احمد خانؒ جیسے صاحبِ نظر و کمال شخص کا وجود خود اس بات کی زندہ شہادت ہے کہ ابھی اس خطّے سے اسلام کو یوں حرفِ مکرّر کی طرح مٹایا نہیں جا سکتا ابھی راکھ میں چنگاری باقی تھی

جو شعلہ بھی بن سکتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سرسیّد احمد خانؒ کی صورت میں مسلمانوں کو اس وقت ایک ایسا عظیم مصلح میسّر آتا ہے جب بحیثیت قوم وہ پستی کی انتہائی گہرائی میں پہنچ چکے تھے۔ اس وقت وہ اپنی سوئی ہوئی قوم کو جگاتے ہیں اور اُن کیلئے ترقی و تعمیر کی نئی راہیں واکرتے ہیں۔

"اُس زمانے کی تحقیقات اور یونانی حکمت کے زمانے کے مسائل میں ایک بڑا فرق ہے کہ اس زمانے میں جو حکمت کے مسائل تھے وہ زیادہ تر عقلی اور قیاسی دلیلوں پر مبنی تھے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر قطع نہیں ہوئے تھے۔ ہمارے بزرگوں کو نہائت آسانی تھی کہ مسجدوں اور خانقاہوں کے حجروں میں بیٹھے بیٹھے قیاسی مسائل کو قیاسی دلائل سے اور عقلی کو عقلی براہین سے توڑتے پھوڑتے رہیں اور اُن کو تسلیم نہ کریں۔ مگر اس زمانے میں نئی صورتِ حال پیدا ہوئی جو اُس زمانے کے فلسفہ و حکمت کی تحقیقات سے بالکل علیحدہ ہے، اب مسائل طبعی تجربے سے ثابت کئے جاتے ہیں اور وہ ہم کو دکھلا دیے جاتے ہیں یہ مسائل ایسے نہیں ہیں جو قیاسی دلائل سے اٹھا دیے جاویں۔ یا ان تقریروں اور اصولوں سے جو اگلے زمانے کے عالموں نے قرار دیے ہیں ہم ان کا مقابلہ کر سکیں۔"

سرسیّد احمد خاں کو مذہبی فکر کے حوالے سے کافی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہ وہ ایک آزاد فکر انسان کی طرح نہائت بے باکانہ طریقہ سے مسائل کا تجزیہ کرتے تھے اور پھر اسی بے باکی سے نتائج اخذ کر کے پیش کرتے تھے۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمیشہ ان کا مطمع نظر یہی رہا کہ بحیثیت قوم مسلمان اپنا کھویا ہوا قومی تشخص دوبارہ پالیں اور ان مسائل پر توجّہ دیں جن کا تقاضا وقت کر رہا ہے۔ بقول شاعر

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

اور پھر

آیا ہمارے دیس میں اک خوشنوا فقیر
آیا اور اپنی دُھن میں غزلخواں گذر گیا

جہاں اقبال کا ہم پر یہ احسان ہے کہ وہ تصوّرِ پاکستان کے خالق ہیں اُن کا دوسرا کارنامہ،

جدید سائنسی اور فلسفیانہ نظریات کی روشنی میں اسلامی الٰہیات کی تشکیلِ نو ہے اپنی شہرۂ آفاق کتاب کے چھٹے خطبہ میں لکھتے ہیں۔

"اسلام کی رُو سے تمام زندگی کی روحانی اصل ابدی ہے جو اپنا اظہار تنوع اور تبدیلی میں کرتی ہے۔ لہٰذا جو معاشرہ حقیقت کے ایسے تصور پر مبنی ہو اس کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ثبات اور تغیر میں توافق پیدا کرے۔ ضروری ہے کہ اس کے پاس اجتماعی زندگی کو منظم کرنے کیلئے ابدی اصول ہوں۔ کیونکہ مسلسل تبدیلی کی اس دنیا میں ابدی قدروں سے وابستگی ہی ہمیں استقامت بخشتی ہے لیکن ابدی اصولوں کو جب سمجھا اور برتا جائے کہ ان سے تبدیلی کے تمام امکانات جو از روئے قرآن اللہ تعالےٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے ختم ہو جائیں تو یہ اصول زندگی کو جو کہ فطرۃً حرکت اور قوت ہے جامد اور بے جان بنا دیتے ہیں۔ سیاسی اور معاشرتی علم میں یورپ اس لئے ناکام ہوا کہ اُس نے ابدی اصولوں کی قدر و قیمت نہ جانی اور گذشتہ پانچ سو سال سے اسلام پر اس سبب سے جمود طاری ہے کہ مسلمانوں نے تغیر کی اہمیت کو نہ سمجھا۔"

اقبال قرآن حکیم ہی کو اسلامی افکار کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں اور اس ہی سے فقہی اصولوں کا استنباط کرتے ہیں۔

"جب ہم قرآن میں فقہی اصولوں کی اصل بنیاد پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فکر و عمل کی راہیں بند کرنا تو درکنار خود ان اصولوں کی بے پایانی فکرِ انسانی کیلئے مہمیز کا کام کرتی ہے۔"

"میرے خیال میں موجودہ نسل کے آزاد خیال مسلمانوں کا یہ دعویٰ بالکل جائز اور درست ہے کہ انہیں اپنے تجربات اور زندگی اور زندگی کے بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں فقہ کے بنیادی اصولوں کی تشریح جدید کا حق حاصل ہے۔ قرآن کی یہ تعلیم کہ زندگی ارتقاء پذیر تخلیق مسلسل کا نام ہے اس بات کو ضروری قرار دیتی ہے کہ ہر نسل کو اپنے مسائل خود ہی سلجھانے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ متقدمین کا کام نئی نسل کی رہبری تو ہو سکتا ہے لیکن اس کام کو ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔"

"بابِ اجتہاد کا بند ہو جانا ایک خالص افسانہ ہے جسے کچھ تو اسلام میں فکرِ قانونی کے جمود نے پیدا کیا اور کچھ اس ذہنی کاہلی نے گھڑ لیا جو خاص طور پر روحانی زوال کے دور

میں بڑے بڑے مفکرین کو قابلِ پرستش سمجھنے لگتی ہے۔"

اُس مختصر سی بحث سے آپ پر واضح ہو چکا ہو گا کہ نہ تو اساسی اصولوں میں اور نہ ہی فقہی نظاموں کی ساخت میں ہمارے موجودہ طرزِ عمل کیلئے کوئی وجہ جواز موجود ہے۔ عقل و فکر کی تیز روشنی اور نئے تجربات کی قوت سے مسلح ہو کر دنیائے اسلام کو چاہیئے کہ جرأت و ہمت کے ساتھ تشکیلِ جدید کا کام سرانجام دے۔ لیکن یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ تشکیلِ نو زندگی کے جدید حالات کو کوائف کے تحت محض مطابقت پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم کام ہے۔"

"یورپ کی پچھلی جنگِ عظیم (اوّل) سے جو اپنے جلو میں ترکوں کی بیداری کو لے کر آئی جو ایک فرانسیسی اہلِ قلم کے نزدیک اسلامی دنیا کیلئے استحکامی عنصر ہے نیز مسلم ایشیا کے پڑوس میں ایک نئے اقتصادی نظام کے تجربے سے اسلام کا داخلی مفہوم اور اس کا مستقبل ہم پر واضح اور آشکارا ہو جانا چاہیئے۔"

پروفیسر محمد عثمان "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو" کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

"علامہ اقبال نے مسئلہ اجتہاد پر تاریخ اور جدید حالات و متقضیات کی روشنی میں جس قدر ایمان افروز اور فکر انگیز بحث کی ہے اس کی نظیر جدید اسلامی لٹریچر میں ملنی محال ہے۔ میری رائے میں پاکستان کے اربابِ علم و قیادت کا یہ ایک نہائت اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے لئے فکر و عمل کی راہیں متعین کرتے وقت علامہ کے افکارِ عدلیہ کو سامنے رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو ان سے فائدہ اور فیضان حاصل کریں۔"

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذرّۂ سینائے علم!
تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم!

غلام احمد پرویزؒ جن پر ایک ہزار علماء نے یکجہتی کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے متفقہ طور پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگایا۔ یہ علماء کم کم ہی کبھی متفق ہوتے ہیں اور اگر ہوتے بھی ہیں تو نیک مقصد کیلئے نہیں ہوتے۔ غلام احمد پرویزؒ نے سرسید احمد خانؒ اور علامہ اقبالؒ کی فکر سے بھرپور استفادہ کیا اور بلاشبہ وہ بہترین اقبال شناس ہیں۔ انہوں نے اقبالؒ کے پیغام کی فکری روح کو بڑی اچھی طور پر سمجھا اور پھر اس کی بہترین تشریح و ترویج بھی کی۔

پرویزؒ صاحب نے جس محنت سے تبویب القرآن اور لغات القرآن مرتب کی ہیں وہ کسی فرد

کا نہیں بلکہ اداروں کا کام ہے اگر صرف ان کی یہی دو تصانیف کو لیا جائے تو یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس سے اللہ تعالےٰ کی آخری کتاب کو سمجھنے میں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

قرآنی فکر کو پرویزؒ صاحب نے جس احسن طریقہ سے پیش کیا ہے ایسی کوشش پہلے شاید ہی کی گئی ہو۔ قرآنِ حکیم میں موجود بعض ایسے لطیف اشاروں کی طرف پرویزؒ صاحب نے راہنمائی کی ہے جو صدیوں سے اہلِ علم کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ پرویزؒ صاحب قرآنی فکر کے سلسلے میں ایسے راہنما اصول دے گئے ہیں جو آئندہ آنے والے مفسّروں کیلئے نشانِ راہ ہوں گے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم ہمیشہ زندہ رہنے والی کتاب ہے۔ اس لئے ابھی آنے والے زمانوں میں اس کی اور بہت سی جہتیں لوگوں کے سامنے آئیں گی اور وہ اسی وقت ممکن ہے جب کھلے ذہن سے اس کا مطالعہ کیا جائے گا اور یہ طریقہ اور اسلوب پرویزؒ صاحب ہی کا مرہونِ منّت ہوگا۔

قرآنی تعلیم بچوں کے لیئے

قاسم نوری

وطن

محترم بچوّ! اس مرتبہ ہم آپ کو "وطن" کے بارے میں بتائیں گے۔ وطن کیا ہوتا ہے؟ کس کے لئے ہوتا ہے۔؟ اور مسلمانوں کے نزدیک اس کی کیا اہمیّت ہوتی ہے۔

تو آئیے پہلے یہ سمجھ لیں کہ 'وطن' کیا ہوتا ہے۔؟

دُنیا میں جتنے بھی مُلک ہیں وہ سارے 'وطن' بھی ہیں یعنی جو لوگ جس ملک میں رہتے ہیں وہی ان کا وطن کہلاتا ہے ۔ وطن کو 'دیس' مُلک اور کنٹری (COUNTRY) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تو ہوئی ایک عام سی بات' لیکن ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ایک ملک کے رہنے والے عارضی طور پر کسی دوسرے مُلک میں جاکر رہنے لگتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو دوسرے مُلکوں کی نیشنلٹی بھی مل جاتی ہے۔ یعنی وہاں کی حکومت انہیں بھی وہ سارے حقوق دے دیتی ہے۔ جو اپنے ملک کے عوام یعنی باشندوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن صرف حقوق مل جانے سے وہ ان کا وطن نہیں بن جاتا۔ جیسے آپ میں سے بہت سے پاکستانی بچّے دوسرے ملکوں میں رہ رہے ہیں؛ وہ وہاں کے "نیشنل" تو ضرور ہو سکتے ہیں، کہلاتے پاکستانی ہی ہیں۔ تو معلوم یہ ہوُا کہ وطن وہ مُلک ہوتا ہے جہاں

... جائے تو یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس
... نہیں رہتی۔
... ایسی کوشش پہلے شاید ہی
... پرویز صاحب نے راہنمائی
... صاحب قرآنی فکر کے سلسلے میں
... راہ ہوں گے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم
... کی اور بہت سی جہتیں لوگوں
... کا مطالعہ کیا جائے گا اور یہ طریقہ

کوئی پیدا ہوتا ہے۔ صرف کسی ملک میں رہنے سے وہ ملک اس کا وطن نہیں ہو جاتا۔ دوسری اہم بات یہ ذہن میں رکھیں کہ کسی ایک ملک میں پیدا ہونے والے لوگ، اس ملک کی "قوم" کہلاتے ہیں جیسے چین میں پیدا ہونے والے چینی قوم، عرب میں پیدا ہونے والے عربی قوم وغیرہ لیکن یہ بڑی عجیب اور حیرت کی بات ہے کہ اسلام میں دونوں باتوں کا یہ تصوّر نہیں ہے ـــــ دیکھو بھئی توجّہ سے سننی ہے یہ بات ـــــ بڑی مزے کی ہے اور بہت اہم ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے کہ تم اس دنیا میں بہت سارے ملک بنا کر بیٹھ گئے اور بہت ساری قومیں بن گئے ـــــ اس نے کہا کہ یہ ساری سرزمین، ساری دنیا، ایک کُرّہ ہے اس لئے اس کرّہ پر پیدا ہونے والوں کو ایک ہی قوم ہونا چاہیئے اور یہ سارا کُرہ ارض سب کا ایک ہی وطن کہلایا جانا چاہیئے ـــــ اللہ نے ساری دنیا کے انسانوں کو "بنی نوعِ انسان" کہا اور بحیثیت قوم انہیں "امتِ واحدہ" قرار دیا یعنی ایک قوم اور اسی لئے قرآن بھی پوری بنی نوعِ انسانی یعنی ساری دنیا کے انسانوں کے لئے بھیجا اور ہمارے پیارے اور مکرّم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کے لئے باعثِ رحمت بنایا اور یہ بھی بتا دیا کہ جو اس قرآن کی اطاعت کرے گا وہ ساری دنیا کی امامت کرے گا یعنی ساری دنیا کی راہنمائی کرے گا۔

اور بچّو یہ بات ہم بتا چکے ہیں اور تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو کہ قرآنِ کریم اللہ کی ایسی کتاب ہے جو ہمیں زندگی گزارنے کے طریقے سکھاتی ہے اور ہمارے مسائل اور معاملات کے لئے "قانون" کی حیثیت رکھتی ہے۔

عزیز بچّو ـــــ اللہ نے قرآن پر ایمان لانے والوں کے لئے وطن کو غیر ضروری قرار

دیا یعنی وطن کا وہ تصور ختم کر دیا جو پیدا ہونے کے ناطے سے سمجھا جاتا ہے ۔ اب اسلام کی رُو سے ایک مسلمان کا وطن وہ نہیں ہوتا جہاں وہ پیدا ہوتا ہے بلکہ سارا کرۂ ارض یعنی ساری دنیا 'مسلمان کا وطن' ہوتی ہے ۔

دوسری بات یہ اللہ تعالیٰ نے بتائی کہ جو لوگ قرآن پر ایمان لاتے جائیں گے یعنی قرآن کے قانون کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کرتے چلے جائیں گے وہ ایک قوم کہلائیں گے اور اللہ کی پارٹی بنتے جائیں گے ۔ اس پارٹی کا نام اللہ نے "حزب اللہ" رکھا اور اسے مومنین کی جماعت کہا ۔ باقی تمام لوگوں کو 'دوسری قوم' کہا اور چونکہ وہ قرآن پر ایمان نہیں لائے بلکہ قرآن کے مخالف ٹھہرے لہٰذا ان کے لیے اللہ نے "حزب الشیطٰن" کا لفظ استعمال کیا یعنی ایسی پارٹی یا ایسی قوم جو اللہ کے قانون کے مطابق زندگی نہ گزارنا چاہتی ہو ۔

اسلام کی رُو سے، بچّو صرف دو ہی جماعتیں، پارٹیاں یا صرف دو ہی قومیں ہیں ایک وہ جو اللہ کے قانون کی اطاعت کرنا چاہتی ہیں اور دوسری وہ جو نہیں کرنا چاہتیں ۔

پاکستان بننے سے پہلے ہمارا یہ مُلک بھی ہندوستان نامی پڑوسی مُلک کا حصّہ تھا۔ یہ ۱۹۴۷ء سے پہلے کی بات ہے ۔ اس وقت سارے ہندوستان کی آبادی پچاس کروڑ تھی۔ اور مسلمانوں کی تعداد تقریباً بارہ کروڑ تھی۔

ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ اور ہندو مسلمان سب مل کر کوشش کر رہے تھے کہ انگریز کے قبضہ سے ہندوستان کو آزاد کروائیں۔ اُن دنوں علامہ محمد اقبالؒ نے یہ سوچا کہ جب انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلا جائے گا اور ہندوستان آزاد ہو جائے گا تو مسلمانوں کی آبادی تو صرف بارہ کروڑ ہے ۔ زیادہ تعداد میں تو ہندو قوم کے افراد ہیں ۔ ظاہر ہے حکومت کرنے کا حق

اسی قوم کو ہوگا جس کی تعداد زیادہ ہوگی تو انگریز کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو تو آزادی نہیں ملے گی وہ انگریز کی غلامی سے نکلیں گے اور ہندو کی غلامی میں چلے جائیں گے ـــــ دوسرا خیال انہیں یہ آیا کہ مسلمان آزادی کے جوش میں اللہ کی ایک بات بالکل ہی بھول گئے کہ قرآن کی اطاعت اور اس کے قانون کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کرنے والے مل کر ایک قوم بن جاتے ہیں وہ دوسری کسی قوم کا حصّہ نہیں ہو سکتے ـــــ انہوں نے یہ بات ایک بہت ہی دیانت دار مسلمان لیڈر محمد علی جناح کو سمجھائی اور بچو جب یہ بات جناح صاحب کی سمجھ میں آ گئی تو وہ تو نکل کھڑے ہوئے اور اعلان کر دیا کہ ہندوستان میں بسنے اور رہنے والے سب ایک قوم نہیں ہیں بلکہ دو قومیں ہیں۔ یعنی ایک وہ جو اللہ کی اطاعت چاہتے ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں اور دوسرے وہ جو اللہ کے بجائے انسانوں کی اطاعت چاہتے ہیں ـــــ پھر تو جناب جس جس کی سمجھ میں یہ بات آتی چلی گئی وہ جناح صاحب کی جماعت مسلم لیگ میں شامل ہوتا گیا اور جس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ اس کی مخالفت کرنے لگا ـــــ اور دشمن بن گیا ـــــ دیکھتے ہی دیکھتے کروڑوں مسلمان جناح صاحب کے ساتھ ہو گئے اور انہیں اپنا لیڈر مان لیا اور انہیں قائدِ اعظم کا خطاب دیدیا۔ یعنی "ہمارا سب سے بڑا سیاسی راہنما"

پھر کیا ہوا؟ ـــــ بڑی مخالفتیں ہوئیں۔ اس بات کو نہ سمجھنے والے ہندو اور بعض مسلم راہنما چیخے چلّائے۔ طوفان اٹھایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مسلمان الگ قوم کیسے ہو سکتے ہیں جو جہاں پیدا ہوا ہے وہی اس کا ملک ہے۔ وہیں کی وہ قوم ہے وغیرہ وغیرہ۔

وہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کا دن تھا۔ لاہور میں جس جگہ اب "مینارِ پاکستان" ہے

اس جگہ ہندوستان بھر کے مسلمان جمع ہوئے اور انہوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ جب ہم ایک قوم ہیں تو قوم کے لئے کوئی مُلک بھی ہونا چاہیئے۔ اور جب ہمیں اللہ کی کتاب قرآنِ کریم کے قانون کے مطابق زندگی گزارنی ہے تو بھی قانون تو کسی مُلک یا جگہ پر ہی نافذ کیا جا سکتا ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مُلک اور جگہ بھی ہونی چاہیئے ـــــ چنانچہ "تجویز" پیش کی گئی کہ ایسی پاک اور مقدس جگہ کا نام جہاں قرآن کی حکومت ہو "پاکستان" ہونا چاہیئے۔ اس "تجویز" کا نام قرار داد کہلایا اور سب نے اتفاق اور اتحاد سے اس پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ یوں ۲۳ مارچ کا دن اللہ کی اطاعت کے عہد کا دِن بن گیا اور اہم کہلایا ـــــ تو یہ ہے بچّو قرار دادِ پاکستان اور دو قومی نظریّہ ـــــ اور آپ نے دیکھا کہ جب سارے مسلمان متحد ہو گئے تو نہ انگریز کی حکومت کچھ کر سکی نہ چالیس کروڑ غیر مسلم ہندوستانی کچھ بگاڑ سکے اور دنیا کے نقشے پر ایک نیا مُلک اُبھر کر سامنے آگیا اور پاکستان کہلایا۔

جناب مجھے معلوم ہے آپ کے ذہن میں اس وقت کیا کھلبلی مچی ہوئی ہے یہی سوچ رہے ہیں نا؟ کہ شروع میں تو یہ بتایا تھا کہ مسلمان کا کوئی وطن ہی نہیں ہوتا پھر مسلمانوں نے اپنا وطن "پاکستان" کیوں بنایا؟ یا پاکستان کو وطن کیسے کہا جا سکتا ہے؟! آپ نے بالکل ٹھیک سوچا۔ پاکستان ہماری منزل نہیں ہے بلکہ قرآنی نظام کے سفر کا آغاز ہے۔ ہم اگر قرآن کو یہاں پر نافذ کر دیں تو پھر اس کی منزل وہی ہوگی جو اللہ کا دعویٰ اور وعدہ ہے کہ ساری دنیا کی 'امامت' یعنی راہنمائی کا فریضہ ہمیں مل جائے گا اور ساری دنیا ہمارا 'وطن' بن جائے گی "پاکستان" کہلائے گی۔

(قاسم نوری)

طلوعِ اسلام سیمینار

بتقریب

قراردادِ پاکستان گولڈن جوبلی

منعقدہ

۲۳ فروری ۱۹۹۰ء

پر

سیمینار کی آرگنائزنگ کمیٹی کی طرف سے مندوبین کو پیش کیا گیا

اِستقبالیہ

اِدارہ طلوعِ اِسلام ۔ ۲۵۔ بی گلبرگ ۲، لاہور، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحبِ صدر جناب محمود عبداللہ ہارون و معزز خواتین و حضرات! سلام و رحمت۔

میں طلوعِ اسلام سیمینار بتقریب گولڈن جوبلی قراردادِ پاکستان میں شرکت پر آپ احباب کو آرگنائزنگ کمیٹی کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں۔

جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے، آج کی یہ محفل اُس مبارک دن کی یاد دہانی کے لیے آراستہ کی گئی ہے جب آج سے پچاس سال قبل آپ کے اِسی شہر لاہور میں، اسلامیانِ ہند نے حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح علیہ الرحمتہ کی قیادت میں اپنے سامنے ایک آزاد مملکت کے حصول کا نصب العین رکھا اور پھر اس کے لیے بھرپور جدّ و جہد کرتے ہوئے دُنیا کے نقشہ میں مملکتِ پاکستان کا رنگ بھرا۔ ہم میں سے وہ خوش بخت حضرات جو اس تحریک میں بنفسِ نفیس شامل رہے ہیں، خوب جانتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا؟ لیکن ہماری کوتاہیوں اور غفلتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری ملّی آرزوؤں کے وہ نقوش ماند پڑ چکے ہیں۔ ہماری اس محفل کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ بارِ دگر تحریکِ حصولِ پاکستان کے حقیقی مقاصد قوم کے سامنے لائے جائیں۔

۱۹۳۰ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں مفکرِ پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمتہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کا نصب العین رکھتے وقت یہ فرمایا تھا کہ:

"میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔"

اور اس کے بعد، اسی خطبے کے دوران اس مملکت کے نقوش واضح کرنے کے بعد اُنہوں نے پورے حتم و یقین کے ساتھ یہ کہا تھا کہ:

"مجھے یہ نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقے کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔"

اس مملکت کے قیام سے ہو گا کیا، اس کی تشریح کرتے ہوئے اُنہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"اِس سے اسلام کو اِس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی

ملوکیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اُس جمود کو توڑ ڈالے جو اس
کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے
نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی رُوح کے
بھی قریب تر ہو جائیں گے۔"

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے اسلامیانِ ہند کے سامنے یہ نصب العین رکھا اور مسلسل اس کی تشریح و توضیح کرتے رہے کہ مسلمان کی وہ زندگی گذارنے کے لیے، جسے خالقِ کائنات نے اُن کے لیے پسند فرمایا ہے، کس طرح یہ ضروری ہے کہ اُن کی اپنی آزاد، خود مختار مملکت ہو۔ اُن کی اس تعلیم کا ماحصل یہ کہا جا سکتا ہے کہ ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن!

اور قرآن ایک عملی ضابطہ حیات بننے کے لیے اپنی آزاد ریاست کا متقاضی ہے جہاں اس کے احکام و اصول و اقدار کو بطور قانونِ مملکت نافذ کیا جا سکے۔

وہ عمر بھر اسلام کی اس بنیادی حقیقت کو پیش کرتے رہے کہ:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ.. (۶:۵۷)

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے　　حکمراں ہے اک وہی باقی بُتانِ آذری

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ احساس اُن کے دل میں برابر کھٹک پیدا کر رہا تھا کہ اُن کے بعد ہندوستان کی سیاست میں ان نظریات کو عملی طور پر کون آگے بڑھائے گا؟ جب آنے والا مؤرخ اس حقیقت پر نگاہ ڈالے گا کہ اس مقصد کے لیے اُن کی نگہِ انتخاب کہاں جا کر ٹھہری تو وہ محوِ حیرت رہ جائے گا۔ اُن کی نگاہ کا ہدف تھا۔ مسٹر محمد علی جناحؒ ۔۔ وہ جناحؒ جو عمر بھر نیشنلسٹ رہا اور پھر ہندوستانی سیاست سے دل برداشتہ ہو کر لندن کے گوشۂ خلوت میں جا بیٹھا تھا۔ اس قسم کے نیشنلسٹ کو اسلامی قومیت کے نظریہ کا ایسا معتقد بنا دینا کہ وہ اسے اپنی زندگی کا مشن قرار دے لے، اقبالؒ کا وہ کارنامہ ہے جس پر ملتِ اسلامیہ ان کی ہمیشہ رہینِ منت رہے گی اور جس کے نتیجہ کے طور پر اسلامیانِ ہند کی اس ملی جنگ میں اُن کا سفینۂ حیات ایک حسین بط کی طرح تیرتا ہُوا ساحلِ مُراد پر آ لگا۔

یہ کیسے ہُوا تھا؟ ۔۔ اس حقیقت کی پردہ کشائی حضرت قائدِ اعظمؒ کے سوانح حیات کا انگریز مرتب ہیکٹر بولیتھو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

"اپنے قیامِ لندن کے دوران مسٹر جناحؒ نے اقبالؒ سے کئی ایک ملاقاتیں کیں۔ وہ ایک دُوسرے کے بہت اچھے دوست تھے لیکن اس کے باوجود جناحؒ نے اقبالؒ کے دلائل کو فوری طور پر تسلیم نہیں کیا، اس میں قریب دس سال کا عرصہ لگ گیا۔" (صفحہ ۹۹)

جناحؒ انگلستان گیا تھا تو اُس نیشنلزم کا پرستار جس کی شہادت آج بھی بمبئی میں جناحؒ کانگریس ہال دے رہا ہے اور واپس آیا تو اقبالؒ کا یہ پیغام دُہراتا ہوا کہ ؎

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیّت کا ہے مُلک و نسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھُوٹا تو جمعیّت کہاں
اور جمعیّت ہُوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

قائدِ اعظمؒ نے اسلام کے اس تصورِ قومیت کو کس کس انداز سے پیش کیا، اس کی تفصیل تو طول طویل ہے، لیکن میں اُن کا صرف ایک فقرہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں جس میں اُنھوں نے پُوری تفصیل کو اس طرح سمٹا کر رکھ دیا ہے جیسے آنکھ کے تِل میں آسمان۔ اُنہوں نے ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ایک تقریر کے دوران فرمایا کہ:

"پاکستان کا آغاز اُس دن سے ہوگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مُسلم مُسلمان ہوگیا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں ہنوز مُسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔"

بات کس قدر واضح ہے کہ جب یہاں پہلی بار ایک غیر مسلم، اسلام لے آیا تو اُس سے دو قوموں کا وجود عمل میں آگیا اور یہی پاکستان کی بُنیاد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط (۶۴:۲)

چنانچہ حضرت قائدِ اعظمؒ ہندوستان واپس تشریف لائے اور مسلمانانِ ہند کے لیے ایک آزاد و خود مختار مملکت

کے حصول کے لیے مصروفِ تگ و تاز ہو گئے۔ ان کی ان کوششوں کے نتیجہ کے طور پر ۱۹۴۰ء میں ہمارے اسی شہر لاہور میں مسلم لیگ کے آل انڈیا اجلاس نے وہ تاریخی قرارداد پاس کی جس کے پچاس سالہ جشن کے لیے ہم سب آج یہاں مجتمع ہیں۔

حاضرینِ گرامی! مملکتِ پاکستان کا حصول مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ یہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ اس مملکت کے حصول کا مقصد بیان کرتے ہوئے حضرت قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ نے اگست ۱۹۴۱ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے طلباء سے گفتگو کے دوران یوں بیان فرمایا تھا کہ:

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں **ہماری آزادی اور پابندی کے حدود** متعین کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، اسلامی حکومت، قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی کا نام ہے اور حکمرانی کے لیے لامحالہ آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

یعنی حضرت علامہ محمد اقبالؒ جنہوں نے پاکستان کا تصور دیا اور حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ جنہوں نے اس تصور کے مطابق ایک آزاد مملکت حاصل کی، ان دونوں حضرات کے نزدیک اس مملکت کے حصول سے مقصود تھا اس میں قرآنی احکام و اصول کی حکمرانی قائم کرنا اور یہی ہمارا وعدہ تھا اس ربِ کائنات سے جس نے ہمیں اپنی الگ آزاد و خود مختار مملکت کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

ہمارا یہ وعدہ جو ہم نے حصولِ پاکستان کی تحریک کے دوران بار بار دہرایا، اس کائنات کے حقیقی مالک کو ایسا خوش آیا کہ اس نے نہ صرف آزادی کی ہماری کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشا، بلکہ ہمیں یہ فضیلت بھی عطا فرمائی کہ ہم ہندوؤں سے ایک دن پہلے آزاد ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ قیامِ پاکستان کے بعد دنیا کے طول و عرض میں غلامی کی زنجیریں کٹ کٹ کر گرنے لگیں اور یہاں، وہاں، ہر جگہ محکوم انسانوں نے آزادی کی فضاؤں میں سانس لینا شروع کیا۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیئے کہ قیامِ پاکستان کی رات وہ لیلۃ القدر ہے جس نے زمانے کی قدریں بدل کر

رکھ دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد آزاد ہونے والے ممالک کی تعداد بھارت، برما، سری لنکا، جنوبی کوریا، شمالی کوریا، چین اور انڈونیشیا سمیت تقریباً اسّی (۸۰) بنتی ہے۔

غور فرمایئے حاضرینِ کرام! کہ اگر صرف یہ وعدہ کرنے سے کہ بارِالٰہا! تو ہمیں آزاد مملکت عطا فرما دے تو ہم اس میں تیرا ہی تختِ اجلال بچھائیں گے، ربِّ ذُوالمنّن، دُنیائے انسانیت پر اپنی رحمتیں یوں ارزانی فرماتا ہے کہ ایسی آرزوئیں رکھنے والے تو ایک طرف، اُن کی اِن حسین آرزوؤں کے تصدق ایک جہانِ تازہ، غلاموں اور محکوموں کے لیے آزادیوں کا جامِ جان آفریں لیے پیدا ہو جاتا ہے تو سوچیئے اور اپنی تمام تر توجہات کو مرکوز کر کے سوچیئے کہ اگر ہم اپنا یہ وعدہ پورا کرتے ہوئے اس مملکتِ خداداد میں قرآن کا عطا فرمودہ نظام بھی قائم کر دیں تو وہ اپنے لامحدود خزانوں میں سے ہمیں اور کتنی نعمتوں سے سرفراز نہ فرما دے!

لیکن ، معاف فرمائیے۔ کہ اس خوشی کے دن، میرے دل میں اک درد سا ہوتا ہے، کیا ہمارا وہ وعدہ آج آزادی کے تینتالیس سال گذر جانے کے بعد بھی ہمارا منہ نہیں چڑا رہا۔

ہمیں شاید یہ خوش فہمی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کہہ رکھا ہے کہ

كَتَبَ اللّٰهُ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۔ (۶/۱۱)

تو ہمیں کیا غم!

لیکن معزز حاضرین! یہ نہ بھولیے کہ اُسی اللہ نے یہ بھی ارشاد فرما رکھا ہے کہ:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (۴۷/۳۸)

"یاد رکھو! اگر تم رُوگردانی کرو گے، اپنے وعدہ سے پھر جاؤ گے تو وہ تمہارا منہ تکتا نہیں رہ جائے گا کہ اب تو میں نے انہیں آزادی دے دی ہے، میں کیا کر سکتا ہوں۔ اُس نے غیر مبہم الفاظ میں یہ تنبیہہ کر دی ہوئی ہے کہ ایسی صُورت میں وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا جو پھر تمہارے جیسی عہد شکن نہیں ہوگی۔"

اور ساتھ ہی یہ یقین دہانی بھی کرا رکھی ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ (۳/۹)

ادارۂ طلوعِ اسلام کہ جس کا قیام علامہ محمد اقبال علیہ الرحمتہ کے ایماء پر اور حضرت قائداعظمؒ کی زیرِ ہدایت اس مقصد کے لیے عمل میں آیا تھا کہ قوم کو بتلائے کہ اپنی آزاد مملکت کا حصول کس طرح ہمارے دین کا تقاضا ہے اور جس نے قیامِ پاکستان کے بعد سے اپنی تمام تر مساعی اس مقصدِ وحید کے لیے وقف رکھی ہیں کہ بالاستمرار قوم کو

بتا تا رہے کہ اس نظامِ مملکت کے نقوش اور خط و خال کیا ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے ۔ اَلْاِسْلَام ۔ کہہ کر ہمارے لیے پسند فرمایا ہے، اپنی اس خوش بختی پر نازاں ہے کہ اُس نے قرار دادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی منانے میں پہل کی ہے اور اس کے لیے وہ دِن منتخب کیا ہے جو اُس عظیم و منفرد مفکرِ قرآن کا یومِ وفات بھی ہے جس نے نیشنلسٹ علماء کی تحریکِ حصولِ پاکستان کی مخالفت کے محاذ کو اس طرح سنبھالا کہ اپنے قائدؒ کو پوری پوری فرصت مہیا کی کہ وہ اپنوں کی ان ریشہ دوانیوں اور ملّت فروشیوں کی طرف سے مکمل طور پر مستغنی ہو کر ہندو اور انگریز سے کامیاب سیاسی جنگ لڑ سکے۔ میری مُراد تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ کے قریب ترین ساتھی اور پاکستان کی دینی اُمور کی اساس پر ان کے ذاتی مشیر جناب غلام احمد پرویزؒ سے ہے جنھیں پچھلے سال ان کی انہی خدمات کے اعتراف کے طور پر تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل پیش کیا جا چکا ہے۔

مفکرِ قرآن جناب غلام احمد پرویزؒ تمام عمر اپنی قوم کو یہ پیغام دیتے رہے کہ :

"خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا، آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لیے جو قوانین دیے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی دوسری مشعلِ راہ اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لیے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنھیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اُٹھتا ہے کہ :

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دِل بند و راہِ مصطفےٰ رو
بروحِ اعظم و پاکش درود لامحدود"

ہماری دُوسری سعادت یہ ہے کہ آج کی اس محفل میں ہمارے ساتھ کچھ ایسے خوش بخت حضرات بھی شریک ہیں جنھوں نے حصولِ پاکستان کا معرکہ خود سر کیا اور اُنھیں ان کی اس حُسنِ کارکردگی پر تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ ہم ان سے بھی دریافت کرنا چاہیں گے کہ اس مملکت کے حصول کے لیے جدّوجہد کرتے وقت

آپ کے دلوں میں کیا حسین خواب تھے!

اُن کے ساتھ ہمیں آج کچھ ایسے دانشوروں کی رفاقت بھی میسّر ہے جو اس مملکت کے قیام کے حقیقی مقاصد سے خوب آشنا ہیں اور اپنے دل میں یہ تڑپ رکھتے ہیں کہ کاش وہ حاصل ہو سکیں۔ ہم اُن کے خیالات و جذبات سے بھی مستفید ہونا چاہیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

محمد عمر دراز

منجانب آرگنائزنگ کمیٹی

طلوعِ اسلام سیمینار

بتقریب قراردادِ پاکستان گولڈن جوبلی

مجلسِ منتظمہ :

۱۔ محمد لطیف چوہدری۔ کنوینر
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔لاہور

۲۔ لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) مجیب الرحمان خاں
سابق سیکرٹری اطلاعات و نشریات

۳۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد نواز ملک
چیئرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

۴۔ ڈاکٹر سید عبدالودود
شہرۂ آفاق قرآنی سکالر

۵۔ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) اعزاز الدین خان
کمانڈنٹ ۴ پنجاب رجمنٹ
سابق ملٹری اتاشی و سربراہ فوجی مشن۔ یو۔ایس۔اے

۶۔ عبیدالرحمان ارائیں
چیف انجینئر گلف کنسلٹ کویت،
نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام کویت۔

۷۔ حاجی حبیب الرحمان خاں
آئی۔جی۔پولیس (ریٹائرڈ)

۸۔ ڈاکٹر محمد حیات ملک (رکن طلوعِ اسلام ٹرسٹ)
نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام فیصل آباد

۹۔ ڈاکٹر محمد اکرم مرزا (رکن طلوعِ اسلام ٹرسٹ)
نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام جلالپور جٹاں

۱۰۔ میاں محمد اقبال سرور (رکن طلوعِ اسلام ٹرسٹ)
نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام ملتان

۱۱۔ میجر محمد یوسف ڈار (نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام لاہور چھاؤنی)
رکن مجلسِ عاملہ ادارہ طلوعِ اسلام

۱۲۔ محترمہ بیگم رضا علی
نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام کراچی

۱۳۔ محترمہ ثریا عندلیب (معروف قرآنی سکالر)
نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام لاہور (خواتین)

۱۴۔ پروفیسر شمیم انور
رکن بزمِ طلوعِ اسلام۔لاہور

مرتبہ:۔
قاسم نوری

طلوعِ اسلام سیمینار ۱۹۹۰ء

دنیا میں اگر سب سے کوئی مشکل کام ہے تو وہ ہے اپنی شخصیت کے اِرد گرد پھیلے ہوئے حصار کو توڑنا ــــ عام طور پر یہ حصار اسلاف کی قائم کردہ روائتوں کا ہوتا ہے اور ہم اس میں اس طرح محصور ہوتے ہیں کہ ان سے نکلنا تو درکنار ــــ نکلنے کے لئے سوچنا تک گناہِ کبیرہ سمجھتے ہیں اور لاشعوری طور پر اسلاف کی قائم کردہ ان روائیوں کو ہی دین، تصوّر کرنے لگتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ یہ روائتیں ایک بُت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور ہم ان کی پُوجا کرنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام نے اس روش کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (۱۷۰/۲، ۴۳/۳۹، ۱۰/۶)

حقیقت تو یہ ہے غلام احمد پرویزؒ، ایک شخص کا نام نہیں، ایک تحریک کا نام ہے، ایک مشن کا نام ہے۔ منزلِ فکرِ قرآنی کے سنگِ میل اور نشانِ راہ کا نام ہے۔ اس کے باوجود قرآن کے معاملہ میں پرویزؒ صاحب اپنے آپ کو سند نہیں سمجھتے تھے اور یہ بات بارہا پرویزؒ صاحب نے اپنی تحاریر و تقاریر میں بھی دُہرائی ہے۔

ایک طریق جو علّامہ غلام احمد پرویزؒ صاحب کی زندگی میں ہی تحریکِ طلوعِ اسلام کا خاصہ بن چکا تھا، یہ تھا کہ ہر سال طلوعِ اسلام کا کنونشن منعقد ہُوا کرتا تھا ــــ اس کنونشن میں فکرِ قرآنی کے نُور سے منوّر ہونے والے لوگ اپنے مقالات پیش کرتے تھے، سوال و جواب کی محفل ہوتی تھی، استقبالیہ اور رفیقانِ دیرینہ کے افکار و خیالات پیش کئے جاتے تھے اور سب سے اہم یہ کہ محترم پرویزؒ صاحب کا، حالاتِ حاضرہ کے تجزیہ پر مبنی خصوصی خطاب ہوتا تھا۔

ہر چند کہ کنونشن کا یہ انداز سلسلۂ دراز سے جاری تھا لیکن اب انتظامیہ نے محسوس کیا کہ کنونشن میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں وہ سب قریب قریب وابستۂ تحریک ہی ہوتے ہیں ــــ چنانچہ اس تحریک کو مزید وسعتوں سے آشنا کرنے کے لئے یہ تحریکِ قرآنی اس حد تک وسعت اختیار نہیں کر پائی جس حد تک

سے بڑھنا اور متعارف ہونا چاہیئے ـــــ اس کے ازالہ کے لئے جو بات ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ اس حلقہ کے باہر کے احباب کو بھی مدعو کیا جائے تاکہ عامۃ النّاس طلوعِ اسلام کے مسلک کو سمجھیں اور کماحقہ اس سے متعارف ہوں اور قرآن کے نور سے کسبِ ضیاء کر سکیں۔

یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ ایک عام آدمی تو کیا خود تحریکِ طلوعِ اسلام سے وابستہ بیشتر احباب بھی علامہ غلام احمد پرویزؒ کے صحیح علمی مقام سے آگاہ نہیں ہیں۔ علامہ مرحوم کی شخصیت کے بہت سے اہم پہلو ان کی نظر سے بھی اوجھل ہیں اور حصولِ پاکستان کے لئے علامہ مرحوم کی کاوشوں کو کس حد تک دخل تھا، اس حقیقت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں ـــــ

چند ماہ پہلے یعنی اگست ۱۹۸۹ء میں حکومتِ پنجاب نے تحریکِ پاکستان میں علامہ غلام احمد پرویزؒ کی خدماتِ جلیلہ کے اعتراف میں انہیں 'گولڈ میڈل' کا مستحق قرار دیا تھا۔ اس ضمن میں حکومتِ پنجاب کی طرف سے جو کتاب شائع کی گئی ہے اس میں بڑے نمایاں اور واضح الفاظ میں علامہ پرویزؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے ـــــ

ہر چند کہ یہ میڈل اور حکومتِ وقت کا اعتراف جناب پرویزؒ کی شخصیت اور خدمتِ ملّی و دینی کے مقابلہ میں چنداں حیثیت نہیں رکھتا لیکن اِس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ مستقبل کا مؤرخ، جب پاکستان کی سیاسی تاریخ مرتّب کرے گا تو آپؒ کی خدمات سے صرفِ نظر اس کیلئے ممکن نہ ہوگا۔

یہ بھی حُسنِ اتفاق ہے کہ اس سال مارچ میں "قراردادِ پاکستان" اپنے پچاس سال پورے کر رہی ہے۔ اور حکومتِ پاکستان، ملّتِ پاکستان، اور صوبائی حکومتیں بھی قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی منانے کی بھرپور تیاریاں کر رہی ہیں ـــــ

'طلوعِ اسلام' کی انتظامیہ کے لئے شاید یہ نہایت موزوں اور مناسب وقت تھا کہ وہ اپنی اجتہادی سوچ کو عملی جامہ پہنائیں اور اس حوالہ سے اجنبیت، لاعلمی اور عوام النّاس کی غلط فہمیوں کے حصار کو توڑ کر محترم پرویزؒ کی قرآنی فکر کو حدود نا آشنا کریں۔ اس غرض کیلئے انتظامیہ نے ۲۵ بی گلبرگ کی بجائے اس مرتبہ یہ تقریب واپڈا آڈیٹوریم میں کھلے بندوں منانے کا اہتمام کیا اور ابھی حکومتِ پاکستان اور ملّتِ پاکستان کی جانب سے قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی منانے کی ابتداء بھی نہیں ہوئی تھی کہ گیارہ کروڑ کی آبادی میں سب سے پہلے 'طلوعِ اسلام' نے یہ گولڈن جوبلی منانے کا اعلان کر دیا اور اعلان ہی نہیں کیا، ۲۳ فروری ۱۹۹۰ء کو یہ گولڈن جوبلی شایانِ شان انداز سے منا بھی لی ـــــ اور اسی کے ساتھ ساتھ اسی دن تین اہم موضوعات کو بھی یکجا کر دیا۔

• ــــــ تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں علاّمہ غلام احمد پرویزؒ کی مساعیٔ جمیلہ ۔
• ــــــ طلوعِ اسلام کی سالانہ کنونیشن
• ــــــ مفہوم القرآن کے انگریزی ایڈیشن کی رُونمائی

ــــ • ــــ

کوئی بھی کام ، اپنی تکمیل کے بعد سہل، آسان اور معمولی سا دکھائی دیتا ہے ۔لیکن اپنے آغاز سے پہلے کس قدر دشوار ، کٹھن ، مشکل اور جہد آزما ہوتا ہے اس کا اندازہ عام آدمی کیلئے لگانا آسان نہیں ہے ۔ "طلوعِ اسلام" کی انتظامیہ کے لیئے تو اور بھی مشکل اس لیئے تھا کہ روائت سازی کے اس لمحہ اور ابتلاء کے اس مرحلہ میں، مخالفتوں کے فتنے ہجوم در ہجوم امنڈنے کے لیئے بے تاب تھے لیکن یہی تو وہ وقت تھا جب ایک مثال بننا تھا اور زمانے کو دکھانا تھا کہ تحریکِ طلوعِ اسلام، ابتلاء و آزمائش اور جہد و عمل کے وقت بے خطر آتشِ نمرود میں کُود پڑنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے ۔

ــــ • ــــ

لائحۂ عمل تیار کرتے وقت "طلوعِ اسلام" کی انتظامیہ کے پیشِ نظر چار اہم باتیں تھیں۔

۱ تحریک اور اس کے مقاصد کو مزید وسعتوں سے آشنا کرنا
۲ سالانہ کنونیشن کو ادارۂ طلوعِ اسلام کے بجائے اپنی چار دلیواری سے باہر منعقد کرنا
۳ مقررین میں، انہیں بھی شامل کرنا جو حلقۂ طلوعِ اسلام سے باہر کے ہوں۔
۴ صدارت کے لیئے کسی ایسی شخصیت کو منتخب کرنا جو تحریکِ حصولِ پاکستان سے نسبت رکھتی ہو۔

سب سے پہلے ان حضرات کی فہرست تیار کی گئی جو قرار دادِ پاکستان پیش کیئے جانے کی تاریخ یعنی ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء تک تحریکِ پاکستان سے وابستہ تھے۔ اور اس قرار داد کے چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتے تھے ــــ مشکل یہ تھی کہ ان میں سے بیشتر افراد وفات پا چکے تھے اور جو زندہ تھے وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور بیشتر گوشۂ گمنامی میں زندگی بسر کر رہے تھے ــــ ان کا کھوج لگانا اور اسٹیج پر لانا جُوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

• ۔ کنونیشن کیلیئے مقالات لکھوانے تھے اور مختصر وقت میں انکی ترتیب اور تدوین کا مرحلہ تھا۔
• ۔ دعوت ناموں کی طباعت اور ترسیل کا کام تھا ــــ اور طباعت کے بعد لفافوں پر سینکڑوں کی تعداد میں پتے لکھنے کا کام بھی کچھ کم آسان نہ تھا۔
• ۔ بینرز، پوسٹرز، پبلسٹی اور تشہیر کے ذرائع، ان کے وسائل اُن کا مضمون اور لکھائی اور ان کے

آویزاں کرنے کا مسئلہ تھا۔

- کسی مناسب ہال کا انتظام کرنا تھا۔
- مندوبین کے قیام وطعام، جائے تقریب تک لانے لے جانے کے لئے سواری کا بندوبست اور ان کی بنیادی ضرورتوں کا پاس واحساس بھی مدِنظر تھا۔
- اس سارے پروگرام کی تعمیل وتکمیل کیلئے سرمایہ یا فنڈز کی فراہمی بھی بہت بڑا مرحلہ تھی۔
- صدارت کیلئے کسی ایسی شخصیت کا انتخاب بھی کچھ کم آسان نہ تھا جو غیر وابستۂ تحریک بھی ہو اور تحریک سے واقف بھی ہو۔
- مزید برآں محترم پرویزؒ صاحب کی عدیم النظیر پیش کش "مفہوم القرآن" کے انگریزی ایڈیشن کے اس حصّہ کی طباعت اور رُونمائی جو پرویزؒ صاحب اپنی زندگی میں مکمل کر گئے تھے بڑی اہم ذمہ داری تھی۔

نامساعد حالات، خراب موسم اور سخت سردی کے باوجود ۲۲ فروری تک کینیڈا، کویت، سعودی عرب کے علاوہ پاکستان بھر سے مندوبین پہنچ چکے تھے اور طلوعِ اسلام کا ادارہ "مرکزِ میزبانی" بن چکا تھا۔

۲۳ فروری ۱۹۹۰ء کا سورج تاریخ ساز اور یادگار دن کی نوید لے کر طلوع ہوا۔ لاہور کی ایک خوبصورت عمارت کا خوب صورت حال "واپڈا آڈیٹوریم" — قرآنی آیات، احادیثِ جلیلہ اور طلوعِ اسلام سیمینار کے بینرز سے سجا ہوا تھا۔ وسیع اور حسین اسٹیج پر نمایاں اور بلند مقام پر دو بڑے بینرز آویزاں تھے — ایک بینر پر نظریۂ پاکستان کا قرآنی مفہوم لکھا ہوا تھا جو شاید نصف صدی کے اس عرصہ میں پہلی مرتبہ نئی تعبیر کے ساتھ مرکزِ نگاہ بنا تھا —

قرآنِ کریم کی آیت (۴۲/۳۸) اور اس کا مفہوم:

"ان میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرو"

اور "اسلامی حکومت، قرآنی اصول واحکام کی حکمرانی کا نام ہے"

نظریۂ پاکستان کی بذاتِ خود تشریح وتوضیح تھا — دوسرے بینر پر جلی اور سنہرے حروف میں:

"طلوعِ اسلام سیمینار — گولڈن جوبلی قرار دادِ پاکستان"

درج تھا۔ اطراف میں احادیثِ نبوی پر مشتمل بینرز لگے ہوئے تھے جن کی وجہ سے سارے ہال میں عجب طرح کا وقار اور تمکنت کا ماحول نظر آتا تھا۔

ٹھیک پونے دس بجے محمد عمر دراز صاحب مائک پر تشریف لائے اور اپنے پُروقار اور سنجیدہ لہجہ میں جلسہ

کی کاروائی کا آغاز فرمایا۔ صدارت کے لئے تحریکِ پاکستان کے سرگرم رکن اور قائدِ اعظمؒ کے رفیقِ کاروانِ سیاست جناب عبداللہ ہارون مرحوم کے فرزندِ محترم جناب محمود عبداللہ ہارون صاحب کو دعوت پیش کی اور تالیوں کی گونج میں محمود ہارون صاحب کرسیٔ صدارت پر رونق افروز ہوئے ـــــ اس کے بعد یکے بعد دیگرے انہوں نے محترم عبدالرحمٰن ارائیں، نمائندۂ بزمِ کویت اور محترم محمد لطیف چوہدری، ناظم ادارہ طلوعِ اسلام و کنوینر طلوعِ اسلام سیمینار کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی اور پُرجوش استقبالی تالیوں کے تسلسل میں یہ دونوں اصحاب محترم، جناب محمود۔ اے ہارون صاحب کے دائیں بائیں کرسیوں پر جلوہ فرما ہو گئے ـــــ اس رسمی کاروائی کے بعد باقاعدہ پروگرام کا آغاز ہوا ـــــ تلاوتِ قرآنِ پاک کیلئے شیخ اللہ دتہ صاحب کا نام پکارا گیا اور محترم شیخ صاحب نے بڑے ہی جذب و کیف کے ساتھ تلاوت فرمائی ـــــ ازاں بعد کلامِ اقبال پیش کرنے کیلئے ریٹائرڈ میجر جنرل احسان الحق صاحب اسٹیج پر تشریف لائے اور بڑے ہی موثر لہجہ میں اقبالؒ کا کلام پیش کیا۔

عشقِ بتاں سے ہاتھ اُٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگارِ دیر میں، خونِ جگر نہ کر تلف

سیمینار کی آرگنائزنگ کمیٹی کی طرف سے استقبالیہ پیش کرنے کی سعادت محمد عُمر دراز صاحب کے حصّے میں آئی اور سیمینار کی اس تقریب کے اغراض و مقاصد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تحریکِ پاکستان، قرار دادِ پاکستان اور تصورِ پاکستان کے صحیح خد و خال تاریخ اور اقبالؒ و جناحؒ کی تقاریر و مراسلات کے حوالوں سے واضح کئے اور اس وقت رُوح میں وجد آفریں کیفیت پیدا ہو گئی جب انہوں نے پُروقار لہجہ میں فرمایا:

"مجھے یہ کہنے دیجئے کہ قیامِ پاکستان کی رات، وہ لیلۃ القدر ہے جس نے زمانے کی قدریں بدل کر رکھ دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد آزاد ہونے والے ممالک کی تعداد بھارت، برما، سری لنکا جنوبی کوریا، شمالی کوریا، چین اور انڈونیشیا سمیت تقریباً اسّی (۸۰) بنتی ہے ـــــ عزور فرمائیے حاضرینِ کرام کہ اگر صرف یہ وعدہ کرتے ہے کہ بارِ الٰہا! تو ہمیں آزاد مملکت عطا فرمادے تو ہم اس میں تیرا ہی تختِ اجلال بچھائیں گے، ربّ ذوالمنن دنیائے انسانیت پر اپنی رحمتیں یوں ارزاں فرماتا ہے کہ ایسی آرزوئیں رکھنے والے تو ایک طرف، اُن کی ان حسین آرزوؤں کے تصدق ایک جہانِ تازہ، غلاموں اور محکوموں کیلئے آزادی کا جامِ جان آفریں لئے پیدا ہو جاتا ہے ـــــ تو سوچئے! اور اپنی تمامتر توجہات کو مرکوز کر کے سوچئے کہ اگر ہم اپنا یہ وعدہ پورا کرتے ہوئے اس مملکتِ خداداد میں قرآن کا عطا فرمودہ نظام بھی قائم کر دیں تو وہ اپنے لامحدود خزانوں میں سے ہمیں اور کتنی نعمتوں سے سرفراز نہ فرمادے"

اس کے بعد محمد عمر دراز صاحب نے قائدِ اعظمؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی امور کی اساس پر ذاتی مشیر، مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کا وہ پیغام گوش گزارِ سامعین کیا جو وہ تمام عمر اپنی قوم کو دیتے رہے۔

"خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا شرفِ انسانیت کی تکمیل کیلئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کیلئے کسی دوسری مشعلِ راہ اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو
بروحِ اعظمؒ و پاکش درودِ لامحدود!"

استقبالیہ کے بعد محترم ظہیر نیاز بیگی صاحب کا نام پکارا گیا ـــــ جدوجہدِ آزادی میں ہمارے جن شعراء نے لوگوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کرنے میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، ان میں ظہیر نیاز بیگی کا نام سرِفہرست لکھا جاتا ہے۔ شعبۂ تحریکِ پاکستان محکمہ اطلاعات و ثقافت حکومتِ پنجاب کی طرف سے شائع کردہ کتاب کے مطابق جس میں تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل ۱۹۸۷، ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۹ء کے اعزاز یافتگان کا تعارف شائع کیا گیا ہے۔ ظہیر نیاز بیگی صاحب نے قیامِ پاکستان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کیلئے ملک کے طول و عرض کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کے بڑے بڑے جلسوں میں اپنے اشعار کے زور سے مسلم لیگی کارکنوں کے خون کو گرماتے رہے۔ انہیں اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں مگر یہ تمام مصائب ان کے بلند حوصلوں میں دراڑیں نہ ڈال سکے۔ انہوں نے قائدِ اعظمؒ اور مسلم لیگ کے پیغام کو شعروں کی زبان دے کر گلی گلی، قریہ قریہ پہنچانے کے لئے شبانہ روز کام کیا۔"

تقریباً اسی (۸۰) سالہ ظہیر نیاز بیگی صاحب مسلم لیگ اور قائدِ اعظمؒ کے جلسوں میں نظمیں پڑھتے تھے۔ آپ کو ۱۹۸۷ء میں تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل پیش کیا جا چکا ہے۔ اس سیمینار کی اسٹیج سے جو نظم انہوں نے پیش کی اس کا عنوان تھا "پیغام بہ ملتِ پاکستانیہ"، یہ نظم اسی شمارہ میں الگ سے بھی شائع کی جا رہی ہے۔ جوش اور لہجہ کی گھن گرج، اس وقت بھی وہی تھی جو نصف صدی پیشتر کی یاد دلاتی تھی ـــــ

ڈرو خدا سے فکر کرو کچھ، مکر و ریا سے کام نہ لو
یا اِسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

حاضرین نے دِل کھول کر داد دی۔ سامعین کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔

• ظہیر نیاز بیگی صاحب کے بعد پیرزادہ محمد انور عزیز چشتی صاحب کا نام پکارا گیا۔ چشتی صاحب عارفوالا، ضلع ساہیوال سے تشریف لائے تھے۔ تحریکِ پاکستان کے بے لوث اور انتھک کارکنوں میں سے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ خضر وزارت کے خلاف چلائی جانے والی تحریک میں بھرپور حصہ لیا تھا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ ان کی خدماتِ ملّی کے اعتراف میں حکومتِ پنجاب نے ۱۹۸۸ء میں انہیں "تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل" سے نوازا ہے۔

پیرزادہ محمد انور عزیز صاحب نے اسٹیج پر آتے ہی جب یہ اعلان کیا کہ "۵۳ سال پہلے کراچی میں ـــــ حاجی عبداللہ ہارون کی صدارت میں، مَیں نے تقریر کی تھی اور آج انہی کے بیٹے محمود ہارون صاحب کی صدارت میں تحریکِ پاکستان کے ہی موضوع پر تقریر کر رہا ہوں" ـــــ تو سارا ہال دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ پھر تقریباً چالیس منٹ تک انہوں نے تاریخِ پاکستان کے حوالوں سے بے حد مفید معلومات مہیّا کیں۔

پیرزادہ صاحب کے بعد بریگیڈیر (ریٹائرڈ) اعزاز الدّین احمد خان صاحب تشریف لائے۔ اعزاز الدّین صاحب سابق ملٹری اٹاشی و سربراہِ فوجی مشن یو۔ایس۔اے رہے ہیں اور ۴ پنجاب رجمنٹ میں کرنل کمانڈنٹ کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں ـــــ انہوں نے بڑا ہی پُرمغز مقالہ پیش کیا اور تحریکِ پاکستان سے ہی متعلق باتیں نہیں کیں بلکہ پاکستان کی موجودہ سیاسی صورتِ حال اور مستقبل کے بارے میں بھی کارآمد گفتگو کی ـــــ اس مملکتِ پاکستان میں جس کی اساس ہی قرآن پر ہے یہاں قومیت کے تصوّر کو ہی بغاوت قرار دیئے جانے پر زور دیا۔ نصابِ تعلیم بدلنے کی اہمیّت کا احساس دلایا اور نصاب کو ابتداء ہی سے نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پر زور دیا ـــــ انہوں نے مملکتِ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ کی شق پر بڑے ہی مؤثر انداز میں توجہ دلائی جس کی رُو سے ہر مذہبی فرقہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

چوہدری فضل داد صاحب نے علّامہ اقبالؒ کا فارسی کلام پیش کیا ـــــ چوہدری صاحب کی شخصیت اراکینِ طلوعِ اسلام کے لئے بڑی محترم اور جانی پہچانی ہے۔ طلوعِ اسلام سے ان کی وابستگی اور رفاقت دیرینہ ہے اور انہیں

یہ اعزاز حاصل ہے کہ محترم پرویزؒ صاحب کے زمانہ سے طلوعِ اسلام کے اکثر و بیشتر اجلاس و تقریبات میں کلامِ اقبالؒ پڑھتے رہے ہیں۔

اب مائک کے سامنے محترم کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر صبیح الدین طور تھے۔ انہوں نے قائدِ اعظمؒ کی صدارت میں ہونے والے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخ ساز جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں ان کی خدمات بہت زیادہ ہیں ـــــ جیل میں بھی رہے ہیں اور قیدِ تنہائی کا عذاب بھی برداشت کیا ہے۔ عوامی سطح پر بھی ان کی خدمات کا اعتراف سرکاری سطح پر کیا گیا ہے ـــــ حکومتِ پنجاب نے اگست ۱۹۸۹ء میں انہیں گولڈ میڈل سے بھی نوازا ہے۔

بہت خوبصورت تقریر تھی ان کی۔ اور تقریر کا انداز بھی بڑا حسین تھا وہ لوگ جو الیکشن میں کامیاب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں اور عوام کی نمائندگی کا فرض ادا کرتے ہیں۔ اس تقریر میں انہیں احساس دلایا تھا کہ ان کے لئے اس سے زیادہ کوئی بات فخر و مباہات کا باعث نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک آزاد قوم کے نمائندہ ہیں اور یہ عظمت ہر عظمت سے بلند تر ہے۔ کہ وہ عوام کے دل کی دھڑکنوں سے قریب رہیں، خادمِ ملت کہلائیں اور اقتدار کے نشے سے خود کو محفوظ و دور رکھیں۔

پروفیسر مس شمیم انور۔ اراکین و قارئینِ طلوعِ اسلام کے لئے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں ـــــ انہوں نے انگریزی زبان میں تقریر فرمائی ـــــ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کی تاریخ پر ان کی نظر بڑی دقیق اور گہری ہے ـــــ اور زبان و بیان پر انہیں جو ملکہ حاصل ہے وہ قابلِ داد ہے ـــــ پچیس منٹ کی ان کی انگریزی تقریر کو لوگوں نے، زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ اور دل سے سراہا۔

حاجی حبیب الرحمٰن خاں صاحب۔ ریٹائرڈ انسپکٹر جنرل پولیس آف پنجاب اسٹیج پر تشریف لائے۔ حاجی صاحب بہت عمدہ مقرر اور ادیب ہیں۔ لوگ ان کی تقریر کے مشتاق تھے، لیکن انہوں نے سب سے عظیم اور بلند مقصد یعنی "مفہوم القرآن" کے متعلق تفصیلات سے حاضرین کو آگاہ کیا اور ان تمام اصحاب کا شکریہ ادا کیا، جنہوں نے کسی نہ کسی طور پر اس عظیم کام کی انجام دہی میں مساعی کیں۔ اس کے بعد انہوں نے جناب محمود احمد ہارون صاحب کو اس پیشکش کی رونمائی کی دعوت دی۔

صدرِ سیمینار جناب محمود اے ہارون صاحب مفہوم القرآن کے انگریزی ایڈیشن کی رونمائی کے لئے جب اپنی نشست سے اُٹھے تو ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ بھی عقیدت و احترام میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور ماحول پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

محمد عمر دراز صاحب نے مفہوم القرآن کے انگریزی ایڈیشن کو بلند کر کے ناظرین کو دکھایا اور چند کلماتِ مخصوص کے بعد صدرِ اجلاس کو صدارتی ارشادات پیش کرنے کیلئے مائک پر آنے کی دعوت دی۔

جناب محمود عبداللہ ہارون صاحب مائک پر تشریف لائے اور نہ صرف یہ کہ انہوں نے تحریکِ پاکستان کے مقاصد پر روشنی ڈالی بلکہ موجودہ سیاسی صورتِ حال اور جمہوری قدروں پر بھی شرح وبسط سے اظہارِ خیال فرمایا۔

جناب محمود ہارون صاحب کی صدارتی تقریر اور اس سیمینار میں پیش کئے جانے والے تمام مضامین مکمل طور پر طلوعِ اسلام کے آئندہ شمارہ "گولڈن جوبلی نمبر" میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

ٹھیک ایک بجے نمازِ جمعہ کیلئے اس تین گھنٹوں پر مشتمل نشست کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔ اور اس طرح طلوعِ اسلام سیمینار کی پہلی نشست اپنے اختتام کو پہنچی۔

طلوعِ اسلام سیمینار کی دوسری نشست واپڈا آڈیٹوریم لاہور کے اسی ہال اور اسی اسٹیج سے شروع ہوئی جہاں جہاں نشستِ اوّل کا انعقاد اسی صبح پونے دس بجے ہوا تھا۔

کاروائی کا آغاز بعد نمازِ جمعہ ٹھیک تین بجے کیا گیا۔ سٹیج سیکریٹری کے فرائض حسبِ سابق محمد عمر دراز صاحب نے انجام دیئے۔ کرسیٔ صدارت پر ریٹائرڈ میجر جنرل احسان الحق ملک تشریف فرما ہوئے اور ان کے دائیں بائیں والی نشستوں نے ناظم ادارہ طلوعِ اسلام و کنوینئر سیمینار محمد لطیف چوہدری صاحب اور سرگرم کارکن تحریکِ طلوعِ اسلام اور بزمِ خواتین لاہور کی نمائندہ محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کو شرفِ پذیرائی بخشا۔

شیخ اللہ دتہ صاحب نے تلاوتِ قرآنِ پاک فرمائی۔ حسبِ سابق چوہدری فضل داد صاحب نے کلامِ اقبال پیش کیا اور اس نشست کے پہلے مقرر کے طور پر محمد عمر دراز صاحب نے پروفیسر محمد اسحاق قریشی کو اظہارِ خیال کی دعوت دی

پروفیسر محمد اسحاق قریشی صاحب کا شمار ریاست جموں و کشمیر کے نہایت ذہین و فطین مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس لاہور، جس میں مسلمانوں کے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا تھا اور جس کی صدارت قائدِ اعظمؒ نے فرمائی تھی۔ اس اجلاس میں پروفیسر موصوف نے ریاست کی کشمیر سٹیٹ مسلم لیگ کی جانب سے بطور

مندوب شرکت فرمائی تھی۔ انہوں نے کشمیر کی جدّوجہدِ آزادی میں بھرپور حصّہ لیا تھا۔ جس کی پاداش میں انہیں ریاست کشمیر سے باہر نکال دیا گیا تھا اور ان کی لاکھوں روپے کی جائیداد قرق کر لی گئی تھی ــــ پاکستان آنے کے بعد بھی وہ ساری عمر کشمیر کے پاکستان سے الحاق کی کوشش کرتے رہے ــــ ان کے ایثار اور بیش بہا خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پنجاب نے ۱۹۸۹ء میں انہیں "تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل" عطا کیا۔

پروفیسر محمد اسحاق قریشی نے پیرانہ سالی کے باوجود، جواں لہجہ میں فی البدیہہ تقریر کی اور زبردست تالیوں کے شور میں دادِ تحسین کے ساتھ واپس اپنی نشست تک گئے۔

اور اب باری تھی تحریکِ طلوعِ اسلام کے نہائت محترم و مدبّر، رفیقِ دیرینہ ڈاکٹر صلاح الدّین اکبر صاحب کی۔ اپنے مخصوص، میٹھے اور دھیمے لہجہ میں بڑی بصیرت افروز حقیقتیں بیان کرتے ہوئے جب وہ رُخصت ہوئے تو محمد عمر دراز صاحب نے ایک نئی، نوعمر اور نووارد لبساطِ قرآنی، معلمہ مِس روبینہ صادق عباسی کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔

مِس روبینہ صادق، کوہ مری کی ایک مضافاتی بستی "کالی مٹی" سے تشریف لائی تھیں اور پہلی مرتبہ طلوعِ اسلام کی قرآنی اسٹیج سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھیں اور جس اعتماد و ولولہ کے ساتھ کر رہی تھیں وہ قابلِ ستائش بھی تھا اور حیران کُن بھی ــــ ان کے مقالہ کا عنوان تھا ؎

منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی؟

مقالہ کے اختتام پر پُرہجوم تالیوں کے ساتھ اسٹیج سے رُخصت کرتے ہوئے محمد عمر دراز صاحب نے بے ساختہ و برملا فرمایا:

"اِس عزیزہ بچّی کو سُن کر حوصلہ سا ہو چلا ہے کہ شاید ہمیں بازیابی نصیب ہو۔ میری دعا ہے کہ سب بچّے اس قرآنی تعلیم کی طرف آجائیں ــــ"

اس دعا کے بعد محمد عمر دراز صاحب نے مِس روبینہ صادق کے مقالہ کی تائید میں اپنی طرف سے ایک شعر کا اضافہ فرمایا جس کا ذکر کرنا بڑا مناسب و پسندیدہ سمجھا جائے گا۔

ہم بچاتے رہ گئے دیمک سے اپنے گھر، مگر
چند کیڑے کرسیوں کے ملک سارا کھا گئے۔

محترمہ ثریا عندلیب کے مقالہ کا عنوان تھا "اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام" جیساکہ کاروانِ

تحریکِ طلوعِ اسلام کے سارے ہی رفیق جانتے ہیں کہ محترمہ ثریّا عندلیب صاحبہ نہ صرف یہ کہ ایک قرآنی سکالر ہیں، بلکہ رسالہ طلوعِ اسلام کی مجلسِ ادارت میں بھی شامل ہیں اور بزمِ خواتین لاہور کی سرگرم و فعال نمائندہ ہیں۔ ان کے اس مقالہ کا اثر اس قدر گہرا تھا کہ صدرِ نشست نے اپنے صدارتی خطبہ میں صرف اسی کے حوالے سے بات کی اور دل کھول کر داد دی ـــــ اپنے اس مقالہ میں قرآن کے واضح اور غیر مبہم حوالوں سے محترمہ ثریّا عندلیب صاحبہ نے ثابت کیا تھا کہ کسی بھی طرح عورت کا مقام مرد سے کم تر نہیں ہے بالکل مساوی ہے اور مرد و عورت انسان ہونے کی جہت سے برابر کا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

اگلی مقرر ایڈووکیٹ خاتون محترمہ عارفی سلطانہ تھیں ـــــ عارفی سلطانہ صاحبہ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہنا عبث ہوگا کہ انہیں یہ سعادت حاصل ہے کہ محترم غلام احمد پرویزؒ صاحب نے مکمل قرآنِ کریم انہیں خود پڑھایا اور سمجھایا اور اس اعتبار سے یہ نہائت معتبر، محترم اور منفرد شخصیت کی حامل قرار پائیں۔ ان کا مقالہ تحریکِ پاکستان کے سفر کی روئیداد اور تبصرہ اور مآل و نتائج کی نشاندہی پر مشتمل تھا اور بہت خوب تھا

اس نشست کے آخری مقرر محترم بشیر احمد عابد صاحب، سعودی عرب سے بطورِ خاص تشریف لائے تھے انہوں نے بھی تحریکِ پاکستان سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ـــــ عابد صاحب بزمِ طلوعِ اسلام ریاض (سعودی عرب) کے نمائندہ ہیں۔ نقیبِ فکرِ قرآنی ہیں ـــــ ادیب بھی ہیں محقق بھی ہیں اور بڑی باقاعدگی اور سرگرمی سے قارئینِ طلوعِ اسلام کے لئے مضامین لکھتے رہتے ہیں ـــــ

آخر میں جناب صدرِ جلسہ محترم احسان الحق ملک صاحب نے اپنے دلچسپ اسلوبِ تقریر سے ناظرین کے دلوں کو گرمایا اور پُر لطف جملوں سے محفل کا اختتام کیا ـــــ اور اس طرح طلوعِ اسلام سیمینار اور قراردادِ پاکستان کی گولڈن جوبلی تمت بالخیر ہوئی۔